تشریح

رعیت! حاکم یا بادشاہ یا راعی کے ہاتھ میں امانت ہوتی ہے اس کی حفاظت اور اچھی طرح دیکھ بھال رکھنا اور اس کی مصلحت اور بھلائی کے کام کرنا راعی کا فرض ہے۔ اس لئے بادشاہ امیر، رئیس وزیر، ناظم وغیرہ میں سے جس شخص کو بھی خلق یا رعیت کے معاملات اور انتظامات تفویض ہوں اس پر واجب ہے کہ وہ خیراندیشی اور خلوص کے ساتھ ان پر حکومت کرے اور جیسا سلوک خود اپنے لئے پسند کرتا ہو ویسا ہی ان کے ساتھ کرے، عدل و انصاف اور معاملت میں راستبازی سے کام لے، اپنی سلامتی اور عافیت اور اپنے لئے علم و ثروت کا خواہاں ہو تو انھیں امراض، نقصانات اور خطرات سے بچانے کی تدبیریں کرے ان کے لئے درسگاہیں قائم کرے، اپنے پاس ان کی رسائی میں سہولت پیدا کرے، ان کی خوشحالی اور دولت بڑھانے کے لئے صنعت و تجارت کی ترقی اور زراعت کی سرسبزی کے وسائل مہیا کرے، اپنے لئے اور اپنے مال و آبرو کے لئے امن و امان کو دوست رکھتا ہو تو اسے چاہئے کہ ان کی جان مال اور آبرو کا محافظ بنے جو لوگ فساد برپا کریں انھیں اپنے آہنی ہاتھوں سے سزا دے اور صرف تربیت و تادیب کیلئے

ان ہاتھوں کو حرکت میں لائے۔ اپنے لئے عزت و سربلندی مطلوب ہو تو ان کی عزت و آبرو اور شرف و تربیت کے لئے سرگرم عمل ہو۔

مختصر یہ ہے کہ اپنے آپ کو رعایا میں سے ایک فرد فرض کر کے ان کے ساتھ وہی سلوک کرے جو خود اپنے لئے پسند کرتا ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور سے بیان فرمایا ہے کہ جو شخص اپنی رعیت کی پوری خبرگیری نہ کرے اور اپنے قول و فعل سے ان کا محافظ نہ بنے بلکہ ان کا ایک غافل، فراموش کار، بے پروا اور دھوکا دینے والا یا ریاکار ظالم حاکم ہو، زبان سے میٹھی میٹھی باتیں کرے اور اس کا دل ان کی دشمنی و بدخواہی سے معمور رہے، ظاہر میں ان کی بھلائی کرتا ہوا نظر آئے مگر حقیقت میں ان کی تباہی کے بیج بو رہا ہو، لوگوں کی نظروں میں عابد و پرہیزگار اور متقی بنا ہوا ہو لیکن دل میں ان کے خلاف جعل و فریب اور عداوت کے منصوبے باندھتا رہے۔ جو شخص اس قسم کا ہو اور اپنے فریب و دغا سے باز نہ آئے بلکہ برابر اس لعنت میں مبتلا رہے یہاں تک کہ اسی حالت میں مرجائے تو اللہ ایسے شخص پر جنت کو حرام کردے گا اُسے جنت کی خوشبو تک نصیب نہ ہوگی۔ اس کا ٹھکانا تو دوزخ ہی ہوگا اس کا کوئی معاون و مددگار بھی نہ ہوگا۔

سخت وعید

بے شبہ یہ ایک سخت وعید ہے اور بڑا دردناک عذاب اور
یہی عدل وانصاف اور حق ہے جو شخص ہزاروں لاکھوں آدمیوں کو
دھوکا اور فریب دے سالہا سال انھیں ذلت وخواری میں مبتلا
رکھے اور لذّت حیات سے محروم، یقیناً وہ اس سے کئی گنے زیادہ
عذاب کا سزاوار ہے۔ اللہ بندوں کے لئے ظالم وجفاکار نہیں۔

جھگڑالو!

خدا کے نزدیک مبغوض ترین!

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: انّ ابغض الرجال الی اللہ الالدّ الخصمُ - اخرجہ البخاری و مسلم۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" بیشک اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض (قابل نفرت) شخص نہایت سخت جھگڑالو آدمی ہے۔ اسے بخاری اور مسلم نے روایت کیا۔

لغت

اَلَدّ : بہت جھگڑا کرنے والا۔

لَدَدْ : سخت خصومت

خصم ، وہ جھگڑالو شخص جو لوگوں سے الجھے اور ان پر غالب رہے

تشریح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ وہ شخص اللہ کی رحمت، محبت، اعانت اور دوستی میں اللہ سے سب سے زیادہ دور ہے بلکہ اس کے غضب لعنت، عذاب اور سزا کا سب سے زیادہ حق دار ہے جو لڑائی جھگڑے میں بہت زیادہ شدت برتتا ہے اور یہاں تک جھگڑے جاتا ہے کہ اپنے حریف پر غلبہ پالے۔

یہ حدیث اپنے مفہوم کے لحاظ سے ایسے شخص کے لئے بھی ہو سکتی ہے جو اپنا حق پورا لینے کے لئے جھگڑتا ہو، مگر دراصل ایسا شخص اس کے ضمن میں نہیں آتا، کیونکہ حق دار کو کہنے سے کا حق ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس سے مراد وہی شخص ہے جو باطل یا ناحق بات کے لئے یا بغیر علم کے جھگڑا کرتا ہو۔ مثلاً وہ وکیل جنھوں نے

مقدمہ پر غور و خوض نہ کیا ہو مسئلہ پر عبور حاصل نہ کیا ہو، یا کیا ہو اور اس کے جھوٹے یا ناحق ہونے کو جان لیا ہو پھر بھی وکالت کر رہے ہوں یا وہ لڑاکو لوگ جو غلط رایوں اور گمراہ کن عقائد کی حمایت کرتے ہوں اور اس سے عوام کو گمراہ کرتے ہوں یا کوتاہ عقل لوگ خواہ اپنی تالیف سے گمراہی پھیلائیں یا مجالس میں گفتگو سے، سب برابر ہیں۔

حد سے تجاوز

اس نوع کی مذمت میں وہ شخص بھی داخل ہے جو حق کے لئے لڑنے جھگڑنے میں ضرورت سے زیادہ تجاوز کر جائے، اپنے دشمن کو ستانے کے لئے گالیاں دے، یا جھوٹ بولے یا اس سے ازراہ عداوت لڑے تاکہ اسے مغلوب کرے یا رسوا کرے۔ اور باطل سے مدافعت کے لئے اللہ تعالے کا یہ قول ہے وَلا تجادل عن الذین یختانون انفسهم، اِنَّ اللہ لا یحبّ من کان خوّاناً اثیماً (ان لوگوں کی طرف سے جھگڑا نہ کرو جو اپنے نفسوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ بیشک اللہ بہت زیادہ فریبی اور گناہگار شخص کو پسند نہیں کرتا۔

قرآن کی تلاوت

فضیلت اور ثواب کا بیان !!

عن ابی موسی الاشعری، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
قال: مَثَلُ الذی یقرأُ القرآن کالاُترجۃ طعمھا
طیبٌ، وریحھا طیبٌ، والذی لا یقرأُ القرآن
کالتمرۃ لطعمھا طیبٌ ولا ریحَ لھا، ومثلُ الفاجر۔
فی روایۃ: المنافق ـــ الذی یقرأ القرآن کمَثَلِ
الریحانۃ ریحھا طیبٌ وطعمھا مُرٌّ، ومَثَلُ الفاجر
ـــ فی روایۃ: المنافق ـــ الذی لا یقرأ القرآن
کمَثَلِ الحنظلۃِ طعمھا مُرٌّ، ولا ریح لھا، وفی روایۃ
المومن الذی یقرأ القرآن ویعمل بہ ....
والمؤمن الذی لا یقرأ ......رواہ الشیخان و
ابوداؤد والترمذی والنسائی۔

ابو موسیٰ اشعری نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص قرآن پڑھتا ہے اس کی مثال لیموں کی سی ہے، اس کا مزہ اچھا ہے اور خوشبو بھی اچھی ہے اور جو شخص قرآن نہیں پڑھتا ہے اس کی مثال کھجور کی سی ہے جس کا مزہ اچھا ہے مگر اس میں کوئی خوشبو نہیں ہوتی۔ اور اس بدکار کی مثال — ایک روایت میں — اس منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہو گلدستہ کی سی ہے جس کی خوشبو اچھی ہوتی ہے اور مزہ کڑوا اور اس بدکار کی مثال — ایک روایت میں ہے — اس منافق کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا اندرائن کی سی ہے جس کا مزہ بھی کڑوا ہے اور جس میں کوئی خوشبو بھی نہیں ہوتی اور ایک روایت میں ہے "وہ مومن جو قرآن پڑھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے"...... اور وہ مومن جو قرآن نہیں پڑھتا —
اس کو شیخین، ابو داؤد، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا۔

لغت

اُتُرُجّ : ایک پھل (لیموں)، اُتْرُجَّۃ واحد ہے اترج (لیموں) چار چیزوں سے مرکب ہے۔ پوست، مغز، ترشی اور بیج۔ ان میں سے

ہر ایک کے علیحدہ علیحدہ فوائد ہیں جن کی تفصیل طبی مفردات کی کتابوں میں درج ہے۔ یہ ایک خوش شکل پھل ہے جو چھونے میں نرم اور کھانے میں خوش مزہ ہوتا ہے۔ منہ کو خوشبودار بناتا ہے اور اس کی خوشبو ہوا کی خرابی کو دور کر دیتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایران کے بعض کسرٰے (قیصر) اطبا کے ایک گروہ سے ناراض ہوئے اور ان کی قید کا حکم دے دیا۔ دوران قید میں انھیں صرف ایک سالن اختیار کرنے کی اجازت دی گئی۔ انھوں نے لیموں پسند کیا۔ لوگوں نے کہا تم نے اسے اور چیزوں پر کیوں ترجیح دی، انھوں نے جواب دیا "اس لئے کہ وہ خوشبودار ہے اُسے دیکھنے سے فرحت ہوتی ہے، اس کا پوست خوشبودار اور جرم (یا مغز) میوہ ہے اور اس کی ترشی سالن کا کام دیتی ہے، بیج تریاق ہے اور اس میں روغن ہوتا ہے۔

ریحان : خوشبودار نبات، اس کا واحد ریحانہ ہے، عربوں میں اس کی اقسام میں "آس" مشہور ہے۔ کہا جاتا ہے اس کی خوشبو نفلکے جراثیم کو مار دیتی ہے۔

حنظل : ایک نبات جو تربوز کی طرح زمین پر پھیلتی ہے اور اس کا پھل بھی تربوز سے مشابہ ہوتا ہے لیکن اس سے بہت چھوٹا ہوتا ہے اور کڑوے پن میں اس کی مثال دی جاتی ہے، اردو میں اسے

اندرائن کہتے ہیں۔

تشریح

ایمان سعادت کا راستہ ہے اور بدکاری و نفاق بدبختی کا وسیلہ ہے قرآن اس دین کا تناور درخت ہے جس سے اس کے فنون کی شاخیں پھوٹی ہیں اور متعدد علوم 'فقہ' توحید' التصوف' حکمت' اصول اخلاق' وعظ و قصص وغیرہ نکلے ہیں قلب کو اس سے جتنا لگاؤ ہوتا ہے اور عقل اس میں جتنا غور و تدبر کرتی ہے اتنا ہی انسان کا درجہ ہدایت اور علم میں بلند ہوتا ہے۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار قسم کے لوگوں کی مثال بیان فرمائی ہے جنھیں قرآن سے تعلق ہے اور جو اس کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں' اس پر ایمان رکھتے ہیں اگرچہ یہ ایمان ظاہری ہو۔

پہلا شخص یا گروہ

ان میں پہلا شخص یا پہلا فریق وہ ہے جس کا دل اور اعضا و جوارح ایمان سے بھرپور ہیں وہ اللہ پر یقین اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے' اس کی کتاب کی تصدیق کرتا اور اس کے دین پر عمل کرتا ہے' اس نے قرآن کے ایک حصہ کی تلاوت اپنا معمول بنا لی ہے۔ وہ تہجد میں' بستر پر

فرش پر یا دفتر میں بیٹھے بیٹھے اس کی تلاوت کرتا ہے اور دن کے اوقات میں کھڑے بیٹھے رکوع میں یا سجود میں جب موقع مل جائے اُسے پڑھتا رہتا ہے۔ اس کا قلب اللہ کے ذکر سے غافل ہی نہیں ہوتا کہ شیاطین اس پر قابو پائیں اور سیدھی راہ سے بھٹکا دیں، اس کی یہ تلاوت صرف زبان، ہونٹوں، باچھوں اور حلق کی مدد سے نہیں ہوتی بلکہ اس کا دل پڑھتا ہے اور ہوش وہواس اسے دہراتے ہیں اسی لئے خشیت (خوف الٰہی) اور ہدایت اس کا پھل ہے اور عمل و استقامت اس کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ایسے شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش مزہ و خوشبودار لیموں سے تشبیہ دی ہے۔ اگر تم اس قسم کے آدمی کی آزمائش کرو، اس کے ساتھ اٹھو، بیٹھو، کسی قسم کی معاملت رکھو تو اُسے ایک باوفا، نیکوکار اور پرہیزگار شخص پاؤ گے جو حق کی جیسی چاہیے ویسی تقدیس کرتا ہے اور باطل سے کما حقہ نفرت کرتا ہے۔ سونگھو تو اس میں پاکیزہ خوشبو اور لطیف مہک پاؤ گے جس سے دلوں میں زندگی اور نفوس میں چستی پیدا ہوتی ہے اور عقلیں جلا پاتی ہیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہو، آخر یہ قرآن کی مہک ہے اور اس کی وہ خوشبو ہے جو اس کے تر و معطر زبان اور زندہ و پاکیزہ قلب سے پھیلی ہے۔

دوسرا شخص یا فرقہ

ان میں سے دوسرا شخص یا گروہ وہ ہے جو قرآن پر ایمان رکھتا ہے اس کے احکام پر عامل ہے، اس کی رہنمائی سے ہدایت پاتا ہے اور اس کے اخلاق سے متصف ہے لیکن اُسے قرآن کی تلاوت اور اُسے حفظ کرنے کی نعمت نصیب نہیں ہے، یہ شخص کھجور کی طرح ہے جس کا مزہ اچھا ہوتا ہے۔ یہ شخص خوش اخلاق، راستباز اور نیک طینت ہے مگر جیسے کھجور میں خوشبو نہیں ہوتی اس میں بھی نہیں ہے کیونکہ قرآنی مشک کی مہک سے محروم ہے اگرچہ اس کا قلب قرآنی سلسبیل میں دھلا ہوا ہے اور وہ اپنے عمل میں اس کا نمونہ پیش کر چکا ہے۔

تیسرا شخص یا طائفہ

تیسرا شخص فاجر یا منافق ہے اس میں ایمان صرف نام کے لئے ہے یہی حالت اس کے دین کی ہے کہ رسم کے طور پر اختیار کئے ہوئے ہے یوں تو وہ قرآن پڑھتا ہے کبھی اُسے خوب حفظ بھی کرتا ہے اس کی قرأت کے طرز و اسلوب سے بھی واقف ہے اور تجوید و تزئین سے بھی بے بہرہ نہیں ہوتا مگر اس کی یہ تلاوت اس کے گلے سے

آگے نہیں بڑھتی نہ منزلی سے تجاوز کرتی ہے۔ اسے آزما کر دیکھو تو تم اس کا دل سیاہ قلب تاریک، اخلاق تلخ اور عمل مضرت رساں پاؤ گے۔ اسے آنحضرتؐ نے گلدستہ سے مشابہہ فرمایا ہے، سونگھنے میں خوشبودار اور چکھنے میں تلخ اور چرپرا۔ اسی طرح یہ شخص قرآن پڑھتا ہے تو لوگ اسی طرح راحت پاتے ہیں جیسے خوشبوؤں سے انھیں راحت محسوس ہوتی ہے لیکن اس کا قلب اور نفس بدی سے لبریز ہوتے ہیں۔ تم اس کے ساتھ رہ سہہ کر اس کی تلخی اور آلودگی محسوس کر سکتے ہو۔ اس قسم کے آدمی پر قرآن مجید کا کوئی اثر نہیں پایا جاتا کیونکہ نفاق اور فسق و فجور نے اس کے دل پر مہر کر دی ہے نہ اس پر کوئی نصیحت کارگر ہوتی ہے نہ وعظ و پند اثر کرتی ہے۔

چوتھا شخص یا جماعت

ان میں سے چوتھا شخص وہ منافق و فاجر ہے جسے قرآن سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا نہ علم کے لحاظ سے نہ عمل اور تلاوت و حفظ کے اعتبار سے۔ اس شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اندرائن کے پھل سے تشبیہ دی ہے جس میں کوئی بو نہیں ہوتی اور مزہ بھی تلخ اور ناگوار ہوتا ہے۔ شخص کا نفس فسق و فجور کا حامل ہے اور منافقت کے ماحول

میں پروان چڑھا ہے۔ لوگوں کو اس سے سابقہ پڑے تو اس کی بدولت تکلیف پاتے ہیں اور ان کے نفوس بھی آلودہ ہو جاتے ہیں۔ انھیں اس سے کسی بھلائی کی بو نہیں آتی کیونکہ وہ خوشبوؤں کی خوشبو اور عطروں کی روح یعنی کتاب اللہ کی مہک سے محروم ہے جس سے آنکھوں میں روشنی، دلوں میں انشراح اور نفوس میں زندگی پیدا ہوتی ہے، قلوب پاک و صاف ہو جاتے ہیں اور کان لطافت و فرحت کا گہوارہ بن جاتے ہیں۔

یہ ہیں وہ چار اقسام کے لوگ جنھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمثیل کے انداز میں بیان فرمایا ہے۔ اب تم خود ہی اپنی جگہ غور کرو اور سوچو کہ تم، ان میں سے کس گروہ میں شامل ہو۔ میرا گمان تو یہ ہے کہ تمھیں مومن، مخلص، سوجھ بوجھ والا قاری اور پرہیزگار عامل قرآن ہونا چاہیے۔

تسبیح و تقدیس

خدائے بزرگ و برتر کی !!

عن ابی هریرة قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : کلمتان حبیبتان الی الرحمٰن خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان، سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔ رواہ الشیخان والترمذی والنسائی وابن ماجه

ابوہریرہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" دو کلمے اللہ کو محبوب ہیں جو زبان پر ہلکے اور میزان میں بھاری ہیں، وہ سبحان اللہ وبحمدہٗ اور سبحان اللہ العظیم ہیں۔ اسے شیخین، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

لغت

رحمٰن۔ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ جس سے صفت سے بھرپور رہونا مفہوم ہوتا ہے۔ رحمت وہ عنایت ہے جو مرحوم (جس پر رحم کیا جائے) پر احسان کا تقاضہ کرتی ہے اس کا اطلاق مجرد عنایت اور مجرد احسان پر ہوتا ہے۔

سبحان: اصل میں مصدر ہے تسبیح کے معنی میں، جیسے غفران، اس کے معنی ہیں نقائص سے پاک کرنا، اس کی اصل اللہ کی عبادت میں کوشش کرنا ہے۔ یہ لفظ سبح سے ماخوذ ہے اور سبح پانی یا ہوا میں تیزی سے گزرنے یا تیرنے کو کہتے ہیں۔ نحوی کہتے ہیں "سبحان مصدر کے موقع پر واقع ہوا ہے اور فعل محذوف "سبّحتُ اللّٰہ سبحاناً" یعنی تسبیحاً کی بنا پر منصوب ہے (اس کے آخر حرف (ن) پر زبر ہے) اکثر اضافت کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔

حمد: (الحمد للّٰہ) اللہ کی تعریف اس کی بلند صفات کے ساتھ
بعض لوگوں کا قول ہے "سبحان اللّٰہ وبحمدہٖ میں 'و' حال کے لئے آیا ہے۔

تشریح

اللہ تعالےٰ کا ذکر مردہ دلوں کو زندہ کرتا ہے اور کوتاہ ہمتوں میں تیزی و مستعدی پیدا کرتا ہے۔ اس سے انسان پرہیزگار اور پاک دامن بنتا ہے اور شیطان کے بہکانے سے محفوظ رہتا ہے۔ یہ ذکر اس کے اور گناہوں کے درمیان دوری پیدا کرتا ہے اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الفَحْشَاءِ وَالمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَر (بے شک نماز بے حیائی اور گناہ دبُری بات سے روکتی ہے اور بیشک اللہ کا ذکر بہت بڑا ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ذکر الٰہی کے لئے ایک ایسا فقرہ بیان فرمایا ہے جو نہایت آسانی سے یاد ہو جاتا ہے۔ اس کے محفوظ کرنے میں کوئی صعوبت یا دقت نہیں ہوتی۔ ساتھ ہی یہ بڑا موثر اور نفع بخش ہے۔ مومن پر اللہ کے بے انتہا فیضان میں سے بکثرت خیر و برکت کی بارش کرتا ہے اور اس کے لئے بڑا اجر مہیا کرتا ہے۔ اس کی بدولت نیکیاں زیادہ ہوتی ہیں اور بدیاں محو ہوتی ہیں۔ یہ انسان میں اخلاص پیدا کرتا ہے اور نفس کو دنیوی مشاغل اور قلب کے وسوسوں سے خالی کرتا ہے۔ اللہ جس کی رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے اس

کے لئے یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے کہ وہ تھوڑے عمل پر بہت سا اور بڑا ثواب دے کیونکہ اس فقرہ میں اللہ کا شریک و نظیر سے پاک ہونا بیان کیا گیا ہے اور اس کے انعامات اور فضل وکرم پر اس کی حمد و تعظیم کی گئی ہے جس کا وہ اہل ہے۔

ایمان کامل

یہ تو معلوم ہی ہوگا کہ یہ فضائل صرف ان لوگوں کے لئے ہیں جو اللہ سے دعا کرنے میں خلوص رکھتے ہیں، جن کے ایمان کامل ہیں، معصیتوں سے اور حرام سے اجتناب کرتے ہیں اور ایسے گناہوں سے دور رہتے ہیں جن پر اللہ غضبناک ہوتا ہے۔ اس لئے یہ گمان ہرگز نہ کرنا کہ جو شخص لگاتار ذکر کرتا رہے اور نفسانی خواہشوں میں بھی پورے اصرار کے ساتھ منہمک رہے اور حدود الٰہی کی اہانت کرے وہ بھی مقدس و پاکیزہ لوگوں میں شامل ہوگا اور صرف ان کلمات کے زبان پر جاری کر لینے سے جن کا اثر اس کی زبان سے آگے نہیں بڑھتا برگزیدہ لوگوں کا مقام و مرتبہ حاصل کرے گا۔

یہ حدیث ہدایت کرتی ہے کہ اعمال و اقوال میں بھی ثقالت اور خفت (بھاری پن اور ہلکا پن) ہوتی ہے' ایسے اعمال و اقوال وزن میں

بھاری ہوتے ہیں جو خالص اللہ کے لئے ہوں اور جن میں ریا اور غفلت کا شائبہ ہو، جو حضور قلب کے ساتھ نہ کئے گئے ہوں ان کا پلہ ہلکا ہوتا ہے بے شبہ اعمال مثالی صورتیں رکھتے ہیں اور ان میں اخلاص کا وجود ان صورتوں کی روح ہوتا ہے۔ اللہ تعالے نے فرمایا ہے۔ فَاذْكُرُونِي اذكركم (تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کروں گا) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "جس شخص نے دن میں ایک مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہٗ کہا اس کی خطائیں گھٹ جاتی ہیں اگرچہ وہ سمندر کے پھین کی طرح (بکثرت) ہوں۔

سلام کا رواج

سرکارِ رسالت کی تاکید!

عن ابی ھریرۃ قالَ: قالَ رَسُولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: والذی نفسی بیدہ لاتدخُلونَ الجنَّۃ حَتّٰی تومنوا ولا تؤمنونَ حَتّٰی تحَابُوا، الَاَ اَدُلکم علٰی شیٔ ان فعلتموہُ تحابَبتُم افشوا السَّلَامَ بینکم۔ ھذا الحدیث رواہُ مسلم فی کتاب الایمان و کذلک رواہ ابوداؤد والترمذی۔

ابوہریرہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا، رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم جنت میں اس وقت تک داخل نہ ہوگے جب تک ایمان نہ لاؤ اور ایمان نہ لاؤگے (یعنی کامل ایمان والے نہ بنوگے) جب تک

باہم محبت نہ کرو، کیا میں تم کو ایک ایسی بات کی رہبری نہ کروں جسے تم کرو تو باہم محبت کرنے لگو، اپنے درمیان سلام کو رائج کرو۔

اس حدیث کو مسلم نے کتاب الایمان میں روایت کیا ہے اور اسی طرح اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا۔

تشریح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سبحانہ کی قسم کھا کر تین باتیں بیان فرمائی ہیں :-

۱- ایمان کے ساتھ جنت میں داخل ہونا۔

۲- باہم محبت سے ایمان (کامل) ہونا۔

۳- سلام کی اشاعت کا وسیلۂ محبت بننا۔

اس حدیث میں قَسم مضمونِ قسم کی سچائی میں تاکید اور استواری ظاہر کرنے کے لئے آئی ہے۔ ان میں سے پہلی بات یعنی ایمان کے ذریعے جنت میں جانا ایک ایسی بات ہے جس پر قرآن کی بکثرت آیات دلالت کرتی ہیں، مثلاً "اِنَّهُ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰهُ النَّارُ" (بیشک جو شخص اللہ کے ساتھ

شریک ٹھہرائے، اللہ اس پر جنت کو حرام کر دے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا) اور وَمن یا تِہٖ مُومِناً قد عَمِلَ الصّٰلِحاتِ فاولٰئک لھم الدرجات العلیٰ جنٰتُ عدنٍ (اور جو اس کے (اللہ کے) پاس مومن ہو کر آئے اور اس نے نیک عمل کئے ہوں، تو ایسے لوگوں کے لئے بلند مراتب اور ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہیں)، ایمان اس قلبی تصدیق کو کہتے ہیں جو اعمال صالحہ کے لئے اعضا کو حرکت دیتی ہے۔ اس لئے جو شخص حقیقی مومن ہوگا اس کو دوزخ کا عذاب مس نہ کرے گا لیکن جس کا ایمان بداعمالیوں سے آلودہ ہوگا وہ اپنے کئے کی سزا پانے کے بعد جنت میں داخل ہوگا۔

محبت باہمی

دوسری بات یعنی باہم محبت سے ایمان کی تکمیل، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے مومنوں کی صفت یہ بیان کی ہے کہ" ...ان اپنے بھائی ہیں" اور محبت اخوت کی شان ہے۔ پھر یہ ...ھ ...تا ہو اس کے لئے جب کوئی شخص کسی عقیدہ پر پختہ ہو جاتا ہے تو ایسے ... ...ساً اس کے بجائے محبت کرنے لگتا ہے۔ اس لئے جس مومن کے اع... ...بندگی، بمنسے قاعدوں کے مطابق ہوں گے، وہ انھیں لوگوں کو محب... اس بات میں اس سے ملتے جلتے یا مشابہ ہوں۔ یہ ایک...

کہ جو لوگ کسی ایک جماعت سے نسبت رکھتے ہیں یا ایک مقصد میں متفق ہوتے ہیں ان کے درمیان الفت و محبت موجود ہوتی ہے۔ !

رہی تیسری بات، تو سلام کرنے سے سلام کرنے والے کا میلان اس شخص کی جانب ظاہر ہوتا ہے جسے سلام کیا گیا ہے۔ جب یہ باہم سلاموں کا مبادلہ کرتے ہیں تو گویا اپنے میلانات کا مبادلہ کرتے ہیں، پھر جب سلام کی تکرار ہوتی ہے تو اس رجحان اور میلان میں اضافہ ہوتا ہے اور باہم محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر سلام کو لوگوں کے درمیان عام کیا جائے تو ان کی محبت حاصل ہو گی اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانے ہوئے اور بجانے ہوئے دونوں شخصوں کو سلام کرنے کی ترغیب دی ہے اس حدیث میں سلام کے لئے جو امر کا صیغہ استعمال ہوا ہے وہ اس کے واجب ہونے پر دلالت کرتا ہے لیکن ابن عبدالبر وغیرہ نے نقل کیا ہے

مس پہل کرنا سنت ہے اور اس کا جواب دینا فرض ہے کم سے

اس حدیث کہ "السلام علیکم" کہے اور زیادہ سے زیادہ یہ کہ اس کے ساتھ ظاہر کرنے کے یہ" کا اضافہ کرے۔ جس کو سلام کیا گیا ہے اگر وہ ایک

ذریعے جنت میں ہم عین واجب ہے اگر ایک کے بجائے جماعت ہو تو آیات دلالت کفایہ ہوگا (یعنی جماعت میں سے کوئی جواب دے

اللہ علیہ ا، کا)

اور حدیث میں ہے "جماعت کی طرف سے کافی ہے کہ ان میں سے کوئی ایک جواب دے دے" اسے احمد اور بیہقی نے روایت کیا۔ سلام جس طرح ملتے وقت ہوتا ہے جدا ہوتے وقت بھی ہوتا ہے۔ بموجب حدیث "جب تم میں سے کوئی بیٹھے تو سلام کرے جب کھڑا ہو تو سلام کرے" ان میں سے پہلی بات کو حق کے لحاظ سے دوسری پر فضیلت نہیں ہے (یعنی دونوں برابر ہے۔)

بعض علماء نے کہا ہے "سلام" اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اس لئے 'السلام علیکم' کے معنی یہ ہیں کہ "تم اللہ کی حفاظت میں رہو" جیسے لوگ کہتے ہیں "اللہ تمہارے ساتھ ہو" یہ بھی کہا گیا ہے کہ 'السلام' سلامتی کے معنی میں ہے۔ اس صورت میں سلام کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کی سلامتی ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے۔

غرض 'السلام علیکم' مسلمانوں کا شعار ہے اس لئے جو مسلمان اپنے شعائر دین کی حفاظت اور اس کی قدر و قیمت کا علم رکھتا ہو اس کے لئے یہ زیبا نہیں کہ وہ اس سلام کو کسی اور لفظ سے بدلے مثلاً اس کے بجائے مبارک سعید، شب بخیر، آداب عرض، تسلیمات عرض، بندگی، نمستے وغیرہ استعمال کرے ——!

مقام شرم
ثواب فراواں کی بشارت

عن عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من رأی عورۃً فسترھا کان کمن احیا موءودۃً - اخرجہ ابو داؤد و النسائی -

---

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو کسی شرم کی چیز (شرمگاہ، مرد یا عورت کی) کو دیکھے پھر اُسے ڈھانک دے تو وہ اس شخص کی طرح ہوگا جو زندہ گاڑی ہوئی لڑکی کو جلا دے (زندہ نکال لے) (یعنی جتنا ثواب ایسے شخص کو ملے گا اتنا ہی ستر ڈھانکنے والے کو ملے گا) اسے ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا۔

لغت

عورت، اصطلاحاً ہر وہ چیز جس کے کھلنے سے شرم آئے ہر عیب یا خلل جو کسی چیز میں پیدا ہو جائے۔

موؤدۃ۔ وہ لڑکی جو مٹی میں زندہ دفن کر دی جائے۔ اس کے احیا سے مراد اُسے مرنے سے بچا لینا ہے۔

تشریح

شرم گاہوں یا عیبوں کا چھپانا یا ڈھانکنا ایک مطلوب و مرغوب طریقہ ہے کیوں کہ ان کا کھلنا یا ظاہر ہونا عداوت اور قطع تعلقات کا باعث ہوتا ہے جن عیبوں یا شرم گاہوں کو چھپایا جاتا ہے یہ وہی ہیں جن کو پوشیدہ رکھنا ظاہر کرنے سے زیادہ قرین مصلحت ہے لیکن جب عیوب کو پوشیدہ رکھنے میں دینی فساد ہو مثلاً کوئی شخص کسی آدمی کو خون کرتے دیکھے اور اُسے مخفی رکھا جائے تو اس کی جرأت و جسارت شر کے امور میں اور بڑھ جائے گی اس لئے اس حرکت کی اطلاع کر دینا واجب ہوگا بلکہ اس قسم کے امور کا انکشاف کرنا جس سے لوگوں کے مال و جان کی حفاظت ہوتی ہو ایک ثواب کا کام ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر چھپانے والے کو ایسے شخص سے تشبیہ دی ہے جو زندہ دفن کی ہوئی لڑکی کو زندہ نکال لے یعنی اُسے زندہ درگور ہونے سے بچالے۔ جیسا کہ اللہ تعالٰی کے اس قول میں ہے۔ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا (اور جو شخص اس کو بچالے وہ گویا تمام لوگوں کو بچالے گا) ان دونوں کے درمیان وجہ تشبیہ یہ ہے کہ جو شخص کسی کی شرمگاہ کو ڈھانکے وہ اس کی (ادب سے تعلق رکھنے والی یا) ادبی زندگی کو حیات بخشے گا، وہ اس کی برائی لوگوں میں نہ پھیلائے گا نہ اپنے احباب اور قوم میں اس کے شرف کے بارے میں رخنہ پیدا کرسکے گا۔

زندہ دفن کی ہوئی لڑکی کو بچانا روحی احیا (روح کو زندہ کرنا) ہے اور بعض اوقات حقیقی زندگی شرف و کرامت کی راہ میں آسان ہوا کرتی ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر عورت کرنے والے کو مذکورہ قسم کی لڑکی کے بچانے والے سے تشبیہ دی ہے کیونکہ ان میں سے ہر صورت میں ایک زندگی بچائی جاتی ہے

اس حدیث کا مقصد ستر عورت کی ترغیب دینا ہے بشرطیکہ اس سے کوئی بڑا فساد برپا نہ ہوتا ہو۔

اعتدال و توسط!

اکل و شرب کے معاملہ میں!

عَنِ المقدام بن معد یکرب قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ما ملأ آدمیٌ وعاءً شراً من بطنہٖ بحسب ابن آدم لقیماتٌ یقمن صلبہ وان کان لا محالۃ فاعلاً فثلثٌ لطعامہ وثلثٌ لشرابہ وثلث لنفسہ - اخرجہ الترمذی وابن ماجہ وابن حبان فی صحیحہ -

---

مقدام بن معدیکرب سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "آدمی اپنے پیٹ کے بُرے برتن میں جو کچھ ابن آدم کے لئے کافی ہونے کے اعتبار سے بھرتا ہے وہ چند چھوٹے لقمے ہیں جو اس کی ریڑھ کی ہڈیوں کو سیدھا رکھتے ہیں۔

اور اگر پیٹ کو بھرنا ناگزیر ہی ہو تو (معدہ کا) تہائی حصہ اس کے کھانے کے لئے اور تہائی پینے کے لئے اور ایک تہائی سانس لینے کے لئے ہونا چاہیے۔ اسے ترمذی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔

لغت

بحسب۔ بقدر کفایت

صلب۔ ریڑھ کی ہڈی

تشریح

یہ حدیث شکم سیری اور کھانے پینے میں اسراف کی مذمت بیان کرتی ہے۔ قرآن کریم میں بھی اس آیت کے ذریعے اس حرکت سے منع کیا گیا ہے "كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ" (کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو بے شک وہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا) شکم سیری میں دینی و دنیوی مفاسد دونوں ہیں پیٹ بھر کر کھانا ذہن کو کند کرتا ہے، اس سے صحیح سمجھ بوجھ میں رکاوٹ، سستی اور نیند پیدا ہوتی ہے اور جو شخص سوتا بہت ہے وہ اپنے اس وقت کا

گلا گھونٹتا ہے جو اس کی علمی زندگی کا سرمایہ ہے اور بہت سی دینی و دنیوی مصالح میں نقصان اٹھاتا ہے۔ بہت کھانے کا انجام لمبا اوقات بدہضمی ہوا کرتا ہے اور اس سے بہت سے امراض ایسے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں جن کا مقابلہ یا تدارک انسان کے بس کی بات نہیں۔

لقمان کی نصیحت

لقمان نے اپنے بیٹے کو جو وصیتیں کی ہیں ان میں سے یہ بھی ہے "اے بیٹے جب معدہ بھر جاتا ہے فکر سو جاتی ہے، حکمت گونگی ہو جاتی ہے، اعضا عبادت چھوڑ دیتے ہیں اور کھانے پینے میں اختصار سے کام لیا جاوے تو ایسا نہیں ہوتا قلب صاف رہتا ہے۔ عقل بیدار، بصیرت چست و رواں، شہوت مغلوب اور نفس مقہور رہتا ہے":

ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے کہ کھانا مقدار مناسب میں کھایا جائے اور یہ مقدار اتنی ہی ہوتی ہے جس سے زندگی قائم اور صحت محفوظ رہے اور انسان اپنے فرائض ادا کر سکے لیکن اگر زیادہ کھانا ناگزیر ہو تو معدہ کی دو تہائی جگہ کھانے پینے کے لئے رکھے اور باقی ایک تہائی خالی چھوڑ دے تاکہ سانس سہولت سے آجا سکے اور یہ اس لئے کہ پیٹ جب بھر جاتا ہے تو حجاب حاجز پر

دباؤ ڈالتا ہے اس سے پھیپھڑوں پر دباؤ پڑتا ہے اور سانس لینے کی وہ راہیں تنگ ہو جاتی ہیں جو فاسد خون کی اصلاح اور ایسے صالح خون میں تحویل کرنے کے لئے ضروری ہیں جس پر انسان کی زندگی قائم ہے۔

اس حدیث کا مرکزی موضوع کھانے پینے میں میانہ روی کی تعریف اور ان دونوں میں اسراف برتنے کی مذمت ہے اور یہ وہی چیز ہے جس کا مطالبہ طب نے کیا ہے اور اسی پر نظام حیات قائم ہے۔ یہی وہ اصول ہے جس کو اختیار کرنے سے دینی و دنیوی مصلحتیں چند در چند بڑھتی اور پروان چڑھتی ہیں۔

دعوت الی الخیر

اجر صالح اور جزا و سزا کا بیان!

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من دعا الی ھدی کان لہ من الاجر مثل اُجورِ مَن اتبعہٗ لا ینقصُ ذٰلک من اُجورھم شیئاً، ومن دعا الی ضلالۃٍ کان علیہ من الاثم مثل آثامِ مَن اتبعہ لا ینقصُ من آثامھم شیاء۔ الحدیث اخرجہ مسلم ومالک وابوداؤد والترمذی۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بھلائی کی طرف بلائے تو اس کو اس شخص کے ثوابوں کے مثل ثواب ملے گا جو اس بھلائی پر چلے

اور یہ بات اس کے ثوابوں میں سے کچھ کم نہ کرے گی اور جو گمراہی کی طرف دعوت دے تو اس پر اس شخص کے گناہوں کے مثل وبال پڑے گا جو اس گمراہی پر عمل کرے اس سے ان کے گناہوں میں کوئی کمی واقع نہ ہو گی۔ اس حدیث کو مسلم، مالک ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا۔

لغت

ھُدیٰ - رہبری، رہنمائی

ضلالت: اس کی ضد ہے یہاں ہدایت سے مراد وہ طریقہ ہے جس کے ذریعے لوگ صراط مستقیم (سیدھے راستے) پر چلتے ہیں، نیکی پر عمل کرتے ہیں اور بدی سے اجتناب کرتے ہیں اور ضلالت یا گمراہی سے مراد وہ طریقہ ہے جس سے انسان نیکی اور حق کے راستے سے بھٹک جاتا ہے نیکی کو چھوڑ دیتا ہے اور برائی پر چلتا ہے۔

تشریح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہدایت کی طرف بلانے والے کو ان لوگوں کا ایسا ثواب ملتا ہے جو اس کی رہبری پر چلتے ہیں

ساتھ ہی اس ہدایت پر چلنے والوں کو پورا پورا ثواب ملتا ہے اس میں کوئی کمی نہیں ہوتی اور جو شخص گمراہی کی دعوت دیتا ہے، مثلاً کسی فاسد عقیدہ کی طرف، یا ممنوع و مکروہ جرم یا گناہ کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے تو اس پر ویسے ہی گناہ عائد ہوتے ہیں جیسے اس گمراہی کو اختیار کرنے والوں کے حصے میں لکھے جاتے ہیں

انعام اور سزا!

اس کا سبب یہ ہے کہ بھلائی یا نیکی کا رہنما جو رہبری کرتا ہے وہ انسانی معاشرے میں اس بھلائی کے وجود کا سبب بن جاتی ہے اور اس پر عمل کرنے والوں کی دیکھا دیکھی دوسرے بھی اسے اختیار کرنے لگتے ہیں۔ اس طرح یہ لوگ جو بھلائیاں کرتے ہیں گویا خود یہ رہبر انھیں کرتا ہے اس لئے اس کو بہت ثواب ملتا ہے۔ اسی طرح جو شخص گمراہی کی دعوت دیتا ہے گویا وہ خود ان جرائم کا ارتکاب کرتا ہے جو اس کی پیروی کرنے والوں نے کئے ہیں اس لئے ان کے گناہوں کا وبال بھی پھر اس پر پڑتا ہے۔

اس حدیث میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (اچھی بات کرنے کا حکم دینا اور بُری بات سے منع کرنا) کی بڑی ترغیب ہے جو رسولوں

اور مصلحوں کا فرض ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کے لئے شدید انکار اور بڑا وبال بھی بیان کیا گیا ہے جو دوسروں کو حق سے۔ اتے سے بہکاتے ہیں اور انھیں برائیوں کے ارتکاب کی رغبت دلاتے ہیں۔ یہ لوگ وہ ہیں جو اجماع مسلمین سے بغاوت کرتے ہیں اور حق کو باطل کا لباس پہناتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے گمراہ کریں، اس کی وحدت کو افتراق سے اور اجتماع کو انتشار سے بدل دیں اور زعم یہ رکھتے ہیں کہ وہ مجدد و محقق ہیں مقلد نہیں ہیں۔ مگر اللہ خوب جانتا ہے کہ نہ ان کا ارادہ بھلائی کا ہے نہ وہ فہم و دانش اور حق کے طلب گار ہیں۔ اس لئے ہمیشہ خیر کی دعوت دینے رہو، شر سے متنفر رہو اور اجتماع کے سائے میں مطمئن اور پرمسرت زندگی بسر کرو!

مومن کا وصف

رسول اللہ کی زبان مبارک سے!

عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم: لیس المومن بطعّان ولا لعّان ولا فاحش ولا بذیّ اخرجہ الترمذی وحسّنہ والحاکم وصحّحہ

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن طعن کرنے والا، بیہودگو اور فحش یا بری باتیں کرنے والا نہیں ہوتا۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور حسن نے کہا، حاکم نے روایت کیا اور صحیح کہا۔

لغت

طُعّان ۔ وہ شخص جو لوگوں کی عزت آبرو پر حرف گیری کرے یا طعن و تشنیع کرے۔

لَعّان : بہت لعنت کرنے والا، لعنت۔ اللہ کی رحمت سے دوری

فاحش ۔ بیہودہ گو، بے حیائی کی باتیں کرنے والا

بَذِیّ ۔ دائرہ ادب سے نکل کر بری باتیں کرنے والا

بذاء ۔ قبیح بات ۔

تشریح

مومن وہ شخص ہوتا ہے جس کے قلب کو ایمان پاک و طاہر بنا دیتا ہے اسے بھلائی کی طرف اکساتا اور دنائت و کمینگی کی باتوں سے دور رکھتا ہے وہ زبان کا بھی عفیف (پرہیزگار) ہوتا ہے۔ ہمیشہ اچھی بات کہتا ہے پاکیزہ خصلت ہوتا ہے اور ہمیشہ نیک کام کرتا ہے، جب تم اسلام سے نسبت رکھنے والوں یا مسلمانوں میں سے کسی شخص کو گالی گلوچ کا عادی اور لوگوں کی عزت آبرو پر حرف لانے والا دیکھو تو سمجھ لو کہ اس کا ایمان ناقص ہے اس کا قلب ایمانی عقیدہ سے معمور نہیں ہے بلکہ ہمیشہ شیطان

اس میں گھر بنائے رہتا ہے اسی لئے اس کی زبان پر ہمیشہ بے حیائی اور بے ادبی کی باتیں جاری رہتی ہیں۔

ایمان اور اخلاق

اس حدیث سے واضح ہے کہ ایمان میں اخلاق کا بڑا درجہ ہے جو شخص اپنے اخلاق اچھے نہیں بناتا یا اپنی زبان کو مودب نہیں کرتا وہ ایمان کا کمزور ہے خواہ روزے رکھتا ہو، نماز پڑھتا ہو، حج کرتا ہو، اور زکوٰۃ دیتا ہو۔ کیونکہ آدمی کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک اللہ نے عبادات، اخلاق اور لوگوں کے ساتھ حسن معاملت میں سے جتنی باتوں کا حکم دیا ہے، ان سب پر عمل نہ کرے، اور اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمایا ہے وانّکَ لَعَلیٰ خلقٍ عظیم (بے شک آپ کے اخلاق بڑے برگزیدہ ہیں)

کام کی بات!

دانش مند اور عاجز

عن شداد بن اوس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اَلکَیِّسُ من دان نفسهُ وعمل لما بعد الموت والعاجزُ من اُتبع نفسهُ هواها وتمنّیٰ عَلَی اللہ الامانی۔ رواه الترمذی والحاکم ومن ابن ماجه۔

شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عاقل و دانا وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو مطیع بنائے اور موت کے بعد کے عالم کے لئے عمل کرے اور عاجز وہ ہے جو نفس کی خواہشوں میں اس کا اتباع کرے اور (اخروی بہتری کے لئے) اللہ سے تمنائیں کرے۔ اسے ترمذی، حاکم اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

لغت

لَیّس۔ عاقل و صاحب بصیرت شخص جو انجام پر نظر رکھتا ہو، عاقبت اندیش ہو۔

ھَوَیٰ۔ خواہش یا شہوت کی طرف نفس کا میلان

اَمانی۔ جمع اُمْنِیَّۃ تمنائیں، لذتوں اور خواہشوں میں سے وہ باتیں جنھیں انسان سوچتا اور ان پر قدرت رکھتا ہو۔

تشریح

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے مَا مَتَاعُ الحَیَاۃِ الدنیا فی الآخرۃ الاقلیلٌ (دنیا کی زندگی کی پونجی بہت تھوڑی ہے) وَاِنَّ اللّٰہ ار الآخِرَۃَ لَھِیَ الحَیَوَانُ لو کانوا یعلمون (اور بے شک آخرت کا گھر ہی زندہ اور باقی رہنے والا ہے، کاش وہ جانتے ہوتے)

اس لئے عقلمند حقیقت میں وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو دبا کر رکھے اُسے عقل و حکمت اور شریعت خداوندی کا مطیع و فرماں بردار بنائے ایسا شخص نفس کی ہر کردہ وناکردہ بات پر محاسبہ کرتا ہے اگر کوئی اس سے نیکی ہوئی تو اور نیکی کرتا ہے اور خدا کی تعریف کرتا ہے، بدی ہوئی

تو توبہ کر کے نفس پر عتاب کرتا ہے اور اُسے اس وقت دباتا اور ذلیل کرتا رہتا ہے کہ وہ سیدھے اور سچے راستے پر چلنے لگے اور صراط مستقیم سے ذرا نہ ڈگمگائے۔ اس پر خدا، نفس، اہل و عیال اور قوم کی طرف سے جو امور واجب ہیں ان کے انتظام و اہتمام میں مصروف رہتا ہے اور یہی وہ امور ہیں جو موت کے بعد بعث و نشر، حساب کتاب، جنت و دوزخ یا ثواب و عذاب وغیرہ کی صورت میں نفع پہنچائیں گے حقیقت میں محتاط وہی شخص کہلائے گا جو آخرت کے اس طویل سفر، روز محشر اور عالم باقی کے لئے تیاری کرے، نفس کو پاکیزہ بنائے، اخلاق درست کرے اور عمل صالح کو اپنا پیش خیمہ بنائے۔ ویوم لا ینفع مالٌ ولا بنونَ اِلّا من اَتی اللہَ بقلبٍ سلیم" (اس دن نہ مال نفع دے گا نہ بیٹے، بجز اس کے جو شخص اللہ کے پاس قلب سلیم لے کر آئے)۔ اور یہی شخص دانا و صاحب بصیرت آدمی ہے۔

نفسِ اسیر

رہا عاجز اور واجبات میں کوتاہی کرنے والا یا قصور وار شخص، تو یہ وہ ہے جس کا نفس خواہشوں کا اسیر ہوتا ہے جہاں نفس نے کسی بے حیائی یا گناہ کی بات پر اکسایا فوراً اس پر آمادہ ہو گیا جب حق کے طریقوں

سے بہکایا گمراہ ہوگیا۔ اس کی ذرا پرواہ نہ کی کہ اس کا کیا انجام ہونیوالا
ہے۔ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ (اور
اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کی ہدایت کے بغیر اپنی خواہش
کا اتباع کرتا ہے) اس کی عقل اور اس کا دین دونوں اس کی خواہش
سے مغلوب رہتے ہیں۔ گویا خواہش نفس اس کی مالک ہے اور یہ اس کا
غلام۔ وہ جدھر چاہتی ہے اسے گھماتی ہے۔ اس بنا پر یہ شخص احمق ہے
اور اس سے حماقت بالائے حماقت یہ ہوتی ہے کہ اللہ سے جھوٹی
تمنائیں کرتا رہتا ہے اور اپنے نفس کو اللہ کے عفو اور مغفرت کا یقین
دلا کو فریب دیتا ہے۔

وہ یہ نہیں جانتا کہ اللہ نے اپنی رحمت ان لوگوں کے لئے مقرر کی
ہے جو پرہیزگار ہیں اس سے ڈرتے ہیں، اور زکوٰۃ دیتے ہیں، اللہ کی
آیات پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس کے رسول امی کا اتباع کرتے ہیں اسے
یہ معلوم نہیں کہ موت نظروں سے غائب رہتی ہے، خدا جانے کب آجائے
وہ تو ایسے وقت بھی آگھیرتی ہے جب انسان کی صحت اور اس کی قوت
بہت ہوتی ہے۔ اس لئے جو شخص عقل مند ہوتا ہے وہ اپنی خواہش کو
عقل کا مطیع بناتا ہے۔ اور حدیث میں ہے لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى
يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ (تم میں سے کوئی شخص ایمان میں

کامل نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ اس کی خواہش اس چیز کی پیرو بن جائے جسے میں لایا ہوں۔)

جہاں تک مکافات کی تمنا کا تعلق ہے عقلمند شخص اسی قدر مکافات کا متمنی ہوتا ہے جو اس کے کئے ہوئے اعمال سے تناسب رکھتی ہو۔ اور جنت تو ایسی چیز ہے جس کی قیمت ایمان اور عمل صالح ہی ہے "وَمن یاتہ مُؤمناً قد عمل الصالحات فأولئک لھم الدرجاتُ العُلیٰ (اور جو اس کے پاس مومن ہو کر آئے اور جس نے نیک عمل کئے ہوں تو ایسے لوگوں کے لئے بلند مراتب ہیں) اور جو شخص لایعنی تمناؤں میں الجھا رہتا ہے اور ناحق مکافات کا منتظر، اس کے لئے صرف جہنم ہے۔ اِنّہ من یأتِ ربّہٗ مُجرماً فانّ لہ جھنّم لا یمُوتُ فیھا ولا یحییٰ (جو شخص اپنے رب کے پاس اس حال میں آئے کہ مجرم ہو تو اس کے لئے جہنم ہے جس میں وہ نہ مرے گا نہ جئے گا) حکیمانہ نصائح میں ہے "تمناؤں پر بھروسہ نہ کرو وہ تو احمق کا ساز و سامان ہیں۔" ؎

اذا انتَ لم تزرعْ والصرتَ حاصداً

ندِمتَ علی التفریطِ فی زمنِ البذر

(جب تو نے کچھ کاشت نہ کی ہو اور فصل کاٹنے کے لئے چشم براہ ہو تو تخم ریزی کے زمانے میں (غلہ) گھٹ جانے پر نادم ہوگا۔)

باہمی مشورہ!
امانت میں خیانت!!

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: المستشار مؤتمن۔ رواہ الترمذی وابو داؤد عن ابی ھریرۃ۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" مشورہ دینے والا امانت دار ہونا چاہیے"۔ اسے ترمذی اور ابو داؤد نے ابو ہریرہ سے روایت کیا۔

تشریح

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مشورہ دینے والا اس شخص کا امانتدار

ہوتا ہے جو اس سے مشورہ لیتا ہو اگر وہ مشورہ دینے والے کا راز فاش کر دے یا اُسے رائے دینے اور نصیحت کرنے میں خلوص سے کام نہ لے تو وہ اس کی امانت میں خیانت کرے گا۔ اگر ایسا شخص امین ہو تصرف وہی اس قابل ہے کہ اس سے راز بیان کر کے مشورہ لیا جائے تمھیں چاہیے کہ مشورہ صرف ایسے ہی لوگوں سے لو جو پختہ کار اور دانش مند اور تجربہ کار ہونے کے علاوہ مخلص دل بھی رکھتے ہوں ایسے لوگوں سے بھلائی کی امید کی جا سکتی ہے اور انھیں کی رائے سے فیض اٹھایا جا سکتا ہے۔

قوی اور ضعیف مؤمن

عن أبی هریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: المؤمن القوی خیر وأحب إلی اللہ من المؤمن الضعیف، وفی کل خیر، احرص علی ما ینفعک، واستعن باللہ ولا تعجز، وإن أصابک شیٔ فلا تقل لو أنی فعلت کان کذا وکذا، ولکن قل قدر اللہ وما شاء اللہ فعل، فإن لو تفتح عمل الشیطان - أخرجہ مسلم

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قوی مومن اللہ کے نزدیک ضعیف مومن سے بہتر اور زیادہ محبوب ہے، اور ہر بات میں بہتر ہے۔ جو چیز

تمھیں نفع دے اس پر حریص رہو، اللہ سے مدد مانگو، عاجز نہ بنو، اور اگر تجھیں کوئی تکلیف پہنچے تو یہ نہ کہو اگر میں نے ایسا کیا ہوتا تو ایسا اور ایسا ہوتا بلکہ یہ کہو اللہ نے یہ بات مقدر کی تھی، اور اللہ نے جو چاہا کیا کیونکہ اگر تم ایسا کہو گے تو شیطان کے عمل کا دروازہ کھولو گے۔

اسے مسلم نے روایت کیا۔

تشریح

اس حدیث میں تین باتوں کی ترغیب دی گئی ہے۔

۱۔ ایمان کو قوی کرنا۔

۲۔ نفع بخش چیز پر حرص کرنا۔

۳۔ اللہ کے ذریعے مدد مانگنا۔

اور دو باتوں کی ممانعت فرمائی گئی ہے

۱۔ عاجزی

۲۔ جب کوئی مکروہ واقعہ پیش آئے یا محبوب چیز جاتی رہے تو یہ کہنا کہ اگر میں ایسا کرتا تو جو کچھ پیش آیا ہے نہ آتا۔ ایسا کہنے سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ اس بات سے شیطان کے لئے دروازہ کھل جائے گا۔ لہٰذا کسی پریشانی یا مصیبت کے موقع پر یہ کہو

اللہ نے جو چاہا مقدر فرمایا اور جو چاہا گیا۔ اس طرح یہ پانچ باتیں ہیں جنھیں ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

مسئلہ ایمان

۱۔ ایمان دنیا و آخرت میں اس وقت تک سعادت و خوش بختی کا مرکز بنا رہتا ہے جب تک اس کے ساتھ عمل صالح رہے وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (اور مردوں اور عورتوں میں سے جو شخص نیک کام کرے اور وہ مومن ہو تو ہم اُسے ضرور پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور جو کچھ وہ دنیا میں کرتا تھا۔ اس کا بہترین اجر دیں گے۔)

لوگ ایمان میں درجوں کے اعتبار سے باہم فرق رکھتے ہیں' ان میں سے قوی الایمان (مضبوط ایمان والے) بھی ہوتے ہیں جنھیں ان کا عزم نیک کاموں پر ابھارتا ہے۔ ایسے لوگ تمھیں جہاد میں پیش پیش نظر آتے ہیں' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں سب سے آگے ہوتے ہیں انھیں بھلائی کی طرف بلانے میں جو تکلیفیں پیش آتی ہیں ان کی پروا نہیں کرتے' نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج اور لوگوں کے ساتھ خوش معاملگی میں اللہ نے جو حقوق ان پر عائد کئے ہیں انھیں ادا کرنے میں سعی کرتے

ہیں۔ ان امور میں ان کی ہمت سست نہیں ہوتی اور پستی ان میں راہ نہیں پاتی۔ ان کے برخلاف لوگوں میں ضعیف الایمان (کمزور یا ناقص ایمان والے) اشخاص بھی پائے جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی قسم کے لوگوں کو دوسری قسم والوں سے بہتر بیان فرمایا ہے۔ کیونکہ ایسے لوگ اپنے لئے کامل سعادت طلب کرنے میں برابر جدوجہد کرتے رہتے ہیں، آخرت کو اپنا مقصود قرار دیتے ہیں اور کمال ایمان کے ساتھ اس کے لئے کوشاں رہتے ہیں اس لئے ان کی کوشش مشکور ہوتی ہے دوسری قسم والے ایمان دار تو ہوتے ہیں مگر کوشش اور جدوجہد میں کوتاہی کر جاتے ہیں۔ پہلی قسم کے لوگ جس طرح دوسری قسم والے سے بہتر ہوتے ہیں اسی طرح اللہ کو محبوب بھی اس سے زیادہ ہوتے ہیں کیونکہ وہ ایسے عمل کرتے ہیں جن سے اللہ کا تقرب حاصل ہوتا ہے اور اللہ کی رحمت کا سبب بنتے ہیں۔ دوسری قسم والے ایسے نہیں ہوتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "وفی کلٍّ خیرٌ" (ہر بات میں بہتری ہے) کیونکہ ایمان کی استعداد ان میں سے ہر ایک میں ہوتی ہے۔ البتہ ان میں سے پہلے (یعنی قوی الایمان شخص) نے اسے پاکیزہ عمل سے ترقی دی ہے۔ اور اس کا ایمان پختگی و پائداری میں بڑھ گیا ہے۔ اس کو خدا کے حکم سے ایمانی قوت کا ثمرہ ہر وقت ملتا رہتا ہے اور دوسرے نے اپنے ایمان کی طرف

سے بے توجہی برتی ہے۔ یہ اگر پھر سے اس پر متوجہ ہو کر اور اچھے عمل کرکے اس نقص کا تدارک نہ کرے تو اس میں ضعف بلکہ زوال کا خطرہ ہے اور اس صورت میں ساری بھلائیاں مفقود ہو جانے کا سخت اندیشہ ہے۔

اس تمام تفصیل کا ماحصل شجر ایمان کی آبیاری پر متوجہ کرنا، اس کو بڑھانے اور ترقی دینے کی ترغیب دینا اور اسے نقصان پہنچانے والے کیڑوں مکوڑوں (یعنی برے اعمال سے) سے دور رکھنا ہے تاکہ دنیا میں عزت اور آخرت میں سعادت کی شکل میں اس کے ثمرات حاصل ہوسکیں۔

حرص کی رغبت

۲۔ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ ہم دنیا و آخرت میں نفع بخش چیز پر حریص رہیں کیونکہ مومن ایسے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا جس میں مال، مرتبہ یا علوم دنیا میں سے علم نافع کا اکتساب کرسکتا ہو مثلاً ریاضی، ہندسہ، طب، تربیت و تہذیب اخلاق کے علوم یا خدا کا تقرب عطا کرنے والا اور آخرت میں نفع پہنچانے والا عمل جیسے قرآن کی تلاوت، اس پر غور و خوض، دینی اعمال، نماز، روزہ۔ وہ ان امور میں سے جس کے حصول کا بھی موقع پاتا ہے اس سے ضرور فائدہ اٹھاتا ہے۔

، جو واقع ہو چکی ہے، تو یہ ایک محال بات ہو گی کیونکہ جو بات
طرف سے جاری ہو چکی ہے اس کے خلاف ہونا ناممکن ہے۔
لہذا اس شخص کا مذکورہ قول جھوٹ اور امر محال پر مشتمل ہے۔ اگر وہ
بھول جا، جھٹلانے سے بچ بھی جائے تو بھی یہ کہہ کر اس پر اعتراض کرنے
کی ،مزام سے نہیں بچ سکتا کہ ' اگر میں نے ایسا کیا ہوتا تو جو چیز میرے لئے
مقدر ہو چکی تھی اسے دفع کر دیتا ' اگر یہ کہا جائے کہ اس قول میں نہ تقدیر
کی تردید ہے نہ انکار کیونکہ اس نے ان اسباب کی تمنا بھی تو تقدیر
ہی سے کی ہے تو وہ یہ کہے گا کہ ' اگر میں اس تقدیر سے واقف ہوتا
تو تقدیر ہی سے اس مقدر امر کو دفع کر دیتا کیونکہ تقدیر ایسی چیز ہے جس کے
کچھ اجزا بعض اجزا کو دفع کر دیتے ہیں۔ جیسے مرض کی تقدیر دوا سے دفع ہوتی
ہے اور گناہوں کی توبہ سے ' دشمن کی جہاد سے ' یہ امور تقدیر سے ہیں اس
کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ صحیح ہے مگر اس سے ناپسندیدہ تقدیر کے وقوع
میں آنے سے پہلے فائدہ ہو سکتا ہے۔ جب واقع ہو جائے تو اس کے دفع
کرنے کی کوئی راہ نہیں ہو سکتی۔ اور اگر کسی اور تقدیر سے اس کے دفع ہونے
کی سبیل ہو تو جس فعل سے وہ دفع ہو یا اس میں تخفیف ممکن ہو اسے
بجائے ماضی کے مستقبل کے صیغے سے کہا جائے اور ایسی بات کی تمنا نہ
کی جائے جس کی تمنا کا موقع نہ ہو کیونکہ اس میں عجز محض پایا جاتا ہے۔

اور اللہ عجز پر ملامت کرتا ہے، دانائی کو پسند کرتا ہے اور اس کا حکم دیتا ہے۔

دانائی سے مراد

دانائی یا بصیرت سے مراد ان اسباب میں مشغول ہونا یا انہیں شروع کر دینا ہے جن سے اللہ نے ان کے مفید مسببات (سبب بننے والی چیزوں) کو وابستہ کر دیا ہے جو اس کی معاش و معاد (امور آخرت) میں فائدہ پہنچاتی ہیں۔ یہ باتیں اس کے لئے اچھے عمل کا دروازہ کھول دیتی ہیں۔ اس کے برخلاف عاجزی شیطانی عمل کا دروازہ کھولتی ہے کیونکہ جب وہ اپنی ذات کو نفع پہنچانے والے کام سے عاجز ہو جاتا ہے اور یہ کہہ کر بے بنیاد و امد لا طائل تمناؤں میں مشغول ہو جاتا ہے کہ اگر ایسا ایسا ہوتا" تو وہ اپنے اوپر شیطان کا دروازہ کھول دیتا ہے کیونکہ عاجزی اور سستی اس کا دروازہ ہیں۔

بعض لوگ اس حدیث پر اعتراض کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ" اگر میں نے اس چیز کو مقدم رکھا ہوتا جسے موخر کیا ہے تو میں ہدایت نہ پاتا اور اگر میرے ساتھ ہدایت نہ ہوتی تو تباہ ہو جاتا" اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لَوْ (اگر) استعمال فرمایا ہے اور یہ وضاحت فرمائی ہے کہ جو

کام (عبادات وغیرہ) میں پہلے کر چکا ہوں نہ کر چکا ہوتا اور اُنھیں آیندہ پر ملتوی رکھتا تو ہدایت نہ ملتی۔ اس لئے زیر بحث حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کے معارض ٹھہرے گی کہ ایک جگہ آپ نے خود ایسا عمل فرمایا اور دوسری جگہ اور لوگوں کو اس سے منع فرمایا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ لَوْ (اگر) کا استعمال امور دنیا پر حسرت و تاسف ظاہر کرنے میں ہو تو مکروہ ہے خواہ طلب دنیا میں ہو خواہ اس سے نفرت کے اظہار میں کیونکہ اس میں بے توکلی پائی جاتی ہے لیکن اگر اسے قرب الٰہی کی تمناؤں کے لئے استعمال کیا جائے جیسا کہ اس حدیث میں ہے تو اس میں کوئی کراہیت نہ ہوگی۔ اس لئے جو کچھ گزر چکا ہے ہمیں چاہیئے کہ اُسے اللہ کے سپرد کریں اور یہ کہیں کہ اللہ نے یوں ہی مقدر فرمایا تھا اور اس نے جو چاہا تھا کیا، اور آئندہ کے لئے ماضی سے عبرت حاصل کرتے ہوئے تیار رہیں اور ان اسباب سے اجتناب کریں جو مکروہ بات کے واقع ہونے یا محبوب بات کے دفع ہو جانے کا باعث ہوئے ہیں۔

اس حدیث کا لب لباب یہ ہے کہ ایمان کو قوی کیا جائے۔ اچھے اعمال کے لئے جد و جہد کی جائے اور اللہ پر بھروسہ کیا جائے، جھوٹی اور بیجا تمناؤں اور غیر مفید باتوں کو ترک کر دیا جائے اور صرف ان ہی باتوں کو اختیار کیا جائے جو فائدہ پہنچائیں۔

دعائے نبوی

کاہلی اور بزدلی سے پناہ کی طلب

عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: اللّٰھُمَّ اِنّی اَعُوذُبِکَ من العجز والکَسَلِ والجُبْنِ والبُخْلِ واَعُوذُبِکَ من عذاب القبر ومن فِتْنَةِ المَحیا والمَمات رواہ المسلم

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے "اے اللہ میں عاجزی کاہلی، بزدلی اور کنجوسی سے پناہ مانگتا ہوں اور قبر کے عذاب اور زندگی اور موت کے فتنے سے پناہ مانگتا ہوں۔"

اسے مسلم نے روایت کیا

تشریح

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی مدد چاہتے ہوئے سات باتوں سے پناہ مانگی ہے۔ ان میں سے پہلی اور دوسری عاجزی اور کاہلی ہیں۔ ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ عاجزی سے مراد قدرت نہ ہونا ہے اور کاہلی سے مراد بھلائی کے لئے نفس میں تحریک نہ ہونا اور قدرت ہونے کے باوجود بھلائی کی رغبت کم ہو جانا ہے۔ یہ دونوں ایک روگ ہیں جو انسان کو واجبات کے ادا کرنے سے قاصر کر دیتے ہیں اور اس کے لئے شرارتوں اور برائیوں کے دروازے کھول دیتے ہیں جس طرح سعادت عمل اور جد وجہد سے وابستہ ہے اسی طرح شقاوت عاجزی اور کاہلی سے وابستہ ہے۔

قرآن مجید میں عمل کا حکم اس آیت میں اور اس کے مثل اور آیات میں دیا گیا ہے "وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ" (کہہ دو اے محمد کہ تم عمل کرو۔ عنقریب اللہ اس کا رسول اور مومنین تمہارے عمل کو دیکھیں گے) عمل کو قائم کرنے کے لئے اس پر قادر ہونے اور نفع اٹھانے کی قدرت درکار ہے چونکہ عمل واجب ہے اس لئے اسے ترک کرنا حرام ہے۔ ترک عمل یا تو عاجزی کی

وجہ سے ہوتا ہے یا کاہلی دستی کی وجہ سے۔ قرآنی آیت میں ان دونوں عاجزی اور کاہلی ، کی مذمت موجود ہے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پناہ مانگی۔ عاجزی یا تو قدرت کے دوام و استقلال سے دور ہوتی ہے یا ان کے اسباب بہم پہنچانے سے رفع ہوتی ہے۔

نفس سے تعلق

ان میں تیسری اور چوتھی بات بزدلی اور کنجوسی ہے۔ بزدلی کا تعلق نفس سے ہے اور کنجوسی کا مال سے۔ جو شخص نفسانی خواہشوں اور شیطانی ارادوں یا وسوسوں سے مقابلہ کرنے کی طاقت کھو دیتا ہے یا اس میں دشمن اور ناحق لڑنے جھگڑنے والے اعدا کو دفع کرنے کی طاقت نہیں ہوتی تو اُسے بزدل یا نامرد کہا جاتا ہے اسی طرح جو آدمی اپنے مال سے فقرا و مساکین کی غمخواری اور ان کی اعانت نہیں کرتا ، غازیوں اور مجاہدوں پر اور مصلحت عامہ کی ضرورتوں پر اُسے صرف نہیں کرتا وہ بخیل ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ" (اور جو لوگ سونے چاندی کا خزانہ میں جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں صرف نہیں کرتے انھیں دردناک عذاب کی بشارت دو)

نفوس (جانوں) اور اموال (مال و دولت) کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم بہت سی قرآنی آیات میں موجود ہے اس حکم سے بزدلی اور بخل کی ممانعت ظاہر ہے۔ جو شخص زندگی میں دین کو عزت دینے اور اپنی قوم کو خوش حال بنانے کے لئے اپنی جان و مال کو پیش نہ کرے وہ مرد نہیں ہے وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (اور جو شخص اپنی جان پر حریص ہونے سے بچے تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں۔)

پانچویں بات بہت زیادہ بوڑھا ہونا ہے جو شخص بہت زیادہ عمر پاتا ہے اسے ارذل العمر یا بڈھا پھوس کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ ایک اور حدیث میں اس کی صراحت ہو چکی ہے۔ اس سے پناہ مانگنے کا سبب یہ ہے کہ اس قسم کے بڑھاپے میں ناکارہ پن عقل و حواس کی برہمی اور سمجھ بوجھ میں خلل اور شکل و صورت میں بدوضعی اور بہت سی عبادتوں سے معذوری اور بعض میں سستی کی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس سے پناہ مانگنے کے لئے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالے نے اس کا نام ارذل العمر (ذلیل ترین عمر) رکھا ہے۔ اس عمر میں پہنچ کر آدمی جاننے کے بعد بھی کچھ نہیں جانتا (ہوش و حواس اور حافظہ سب رخصت ہو جاتے ہیں)۔

زیر بحث حدیث جو متن میں نقل کی گئی ہے اس میں یہ حصہ موجود نہیں ہے۔ صرف شرح میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ بظاہر نقل حدیث میں کچھ الفاظ رہ گئے ہیں۔

چھٹی چیز عذاب قبر ہے۔ اس کے ثبوت کے لئے اس قسم کی آیات سے استدلال کیا گیا ہے۔ اَلنَّارُ یُعرَضُونَ علیھا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا وَیومَ تَقُومُ السَّاعَۃُ اُدخِلُوا آلَ فِرعَونَ اَشَدَّ العَذَاب (وہ لوگ صبح وشام آگ پر پیش کئے جائیں گے اور اس دن جب قیامت قائم ہوگی (کہا جائے گا) قوم فرعون کو شدید ترین عذاب میں داخل کرو) اور یہ آیت سَنُعَذِّبُھُم مَّرَّتَینِ ثُمَّ یُرَدُّونَ اِلٰی عَذَابٍ عَظِیم (ہم انھیں دو مرتبہ عذاب دیں گے پھر ان کو بڑے عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا۔) اور یہ ارشاد الٰہی وَلَو تَرٰی اِذِ الظّٰلِمُونَ فِی غَمَرٰتِ المَوتِ وَالمَلٰئِکَۃُ بَاسِطُوا اَیدِیھِم اَخرِجُوا اَنفُسَکُمُ الیَومَ تُجزَونَ عَذَابَ الھُونِ کاش کہ آپ اس منظر کو دیکھتے جب کہ ظلم کرنے والے موت کی سکرات اور اذیتوں میں مبتلا ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھوں کو کھولے ہوئے ہوں گے (اور یہ حکم دیا جائے گا کہ) آج تم اپنی جانوں کو نکالو، تمھیں نہایت ذلیل عذاب دیا جائے گا)

لیکن ان آیات میں ایسی قطعی دلیل نہیں ہے جو عذاب قبر کے لئے قائم کی جائے۔ عذاب قبر کے ثبوت کے لئے تو زیر بحث حدیثوں ہی پر یا بخاری کی درج کردہ حضرت عائشہ کی حدیث پر اعتماد کیا جائے گا جس میں وارد ہے کہ "ایک یہودی عورت حضرت عائشہ کے پاس آئی اور

عذاب قبر کا ذکر کیا، اور ان سے کہا "اللہ تمھیں عذاب قبر سے پناہ دے" حضرت عائشہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عذاب قبر کی نسبت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا "ہاں عذاب قبر ہوتا ہے" حضرت عائشہ کہتی ہیں اس کے بعد سے میں نے دیکھا کہ آپ ہر نماز کے بعد عذاب قبر سے پناہ مانگتے تھے"۔ بخاری ہی میں یہ حدیث بھی ہے کہ" بنی صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر دو قبروں پر سے ہوا تو آپ نے فرمایا "بیشک ان دونوں پر عذاب ہو رہا ہے اور یہ عذاب کسی گناہ کبیرہ پر نہیں ہے" پھر فرمایا ہاں ان میں سے ایک لگائی بجھائی کیا کرتا تھا (چغلخور تھا) اور دوسرا پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا۔

عذاب قبر کے ثبوت پر تمام اہل سنت اور اکثر معتزلہ متفق ہیں، بعض خوارج اور بعض معتزلہ نے انکار کیا ہے۔ مثلاً ضرار بن عمرو، بشر المریسی یا ان سے موافقت کرنے والے لوگ۔ انکار کرنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ عذاب قبر کے متعلق قابل اعتماد حدیثوں میں احادیث آحاد وارد ہیں اور وہ صرف مفید ظن ہیں عقائد کے باب میں قطعی اور واجب نہیں ہیں نہ قرآن میں اس کے متعلق نص صریح (قطعی اور واضح دلیل) موجود ہے۔

فتنۂ موت وحیات

ان میں سے ساتویں بات جس سے آپ نے پناہ مانگی ہے زندگی اور موت کا فتنہ ہے۔ فتنہ اصل میں آزمائش اور پرکھ کو کہتے ہیں۔ سونا جب کسوٹی پر کسا جاتا ہے تو عربی میں فُتِنَتِ الذھب (سونا آزمایا گیا) بولا جاتا ہے۔ محیا زمانہ زندگی مَمَات وقت موت۔ فتنۃ المحیا سے مراد وہ آزمائش ہے جس میں آدمی دنیا اور خواہشات کے ذریعے مبتلا کیا جاتا ہے اور اس میں بے صبری پیدا کر کے پرکھا جاتا ہے۔ فتنۃ الممات سے مراد وہ حالات ہیں جن پر اس قسم کی آیات دلالت کرتی ہیں "وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ" (اور کاش کہ آپ دیکھتے جس وقت اللہ کفر کرنے والوں کو وفات دیتا ہے اور جب فرشتے ان کے منہ اور پیٹھ پر مارتے ہیں) یا "وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ (اور کاش کہ آپ دیکھتے اس وقت کہ جب کہ ظلم کرنے والے موت کی تکالیف میں مبتلا ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ کھولے ہوں گے) یعنی انہیں عذاب اور سزا دینے کے لئے اپنے ہاتھ بڑھائے ہوں گے یا اس سے مراد قبر میں سوال ہے جس کے ساتھ حسرت طاری ہوگی۔

یہ ہیں وہ سات باتیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے۔

اونچ نیچ

اپنے سے فروتر کا مشاہدہ!

عن ابی ھُرَیرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم انظُرُوا الیٰ من ھُوَ اَسفَلُ منکم ولا تنظروا الیٰ من ھُوَ فوقکُمْ فھو اَجدَرُ اَلّا تَزدَرُوا نِعمَۃَ اللہ علیکم: رواہ مسلم ولفظ البخاری: اذا نظرَ اَحدُکُم الیٰ من فُضِّلَ علیہ فی المال والخلق فَلْینظُرْ الیٰ من ھُوَ اَسفَلَ منہ مِمَّن فُضِّلَ علیہ۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اُنھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُس شخص کی طرف دیکھو جو تم سے نیچے درجے کا ہو اور اس کو نہ دیکھو جو تم سے بڑھکر ہے کیونکہ وہ (کم درجے والا) اس کے لئے زیادہ موزوں ہے کہ تم اللہ کی اس نعمت کو حقیر نہ سمجھو

جو اس نے تم کو دی ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔ اور بخاری کے الفاظ یہ ہیں جب تم میں سے کوئی ایسے شخص کو دیکھے جسے مال اور خلق (وضع اور ساخت جسمانی) میں اس پر فضیلت دی گئی ہے تو اُسے چاہیئے کہ ایسے شخص پر نظر کرے جو اس پر فضیلت رکھنے والے سے کم تر ہے۔

لغت

ازدراء : حقیر جاننا، ناقص سمجھنا

تشریح

آدمی اگر اس مال و متاع پر جو زندگی کے ساز و سامان میں سے میسر ہے راضی رہے تو یہ صفت اس کے لئے سرمایۂ سعادت بن جاتی ہے جو کچھ موجود ہو اس پر راضی رہنا خدا کی تھوڑی یا بہت دی ہوئی نعمتوں پر شکر کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اگر رضا کی یہ صفت مفقود ہو تو نفس رنج اور دکھ میں مبتلا رہتا ہے۔ اس میں حسد کی آگ بھڑکتی رہتی ہے اس لئے اپنی حالت پر راضی نہ رہنے والا شخص بدبخت ہوتا ہے۔ اسے دنیا میں ایک دن بھی خوشی کا منہ دیکھنا نصیب نہیں ہوتا۔ خواہ دنیا کا کتنا ہی ساز و سامان اُسے ملتا

جائے اس کی یہی حالت رہتی ہے۔ اسے کوئی مرتبہ یا درجہ ملتا ہے، تو تھوڑے دن بعد اس کا خوگر ہو کر اس سے بیزار ہو جاتا ہے اور اس سے بالاتر مرتبے کی طرح للچائی ہوئی نظریں ڈالنے لگتا ہے اور اس کی فکر میں دکھ اٹھاتا رہتا ہے۔ غرض اس کی حرص کسی طرح پوری نہیں ہوتی ؎

منہ سے بس کرتے نہ ہرگز یہ خدا کے بندے
گر حریصوں کو خدا ساری خدائی دیتا

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسے طریقے کی رہبری فرمائی ہے جو ہم میں قناعت پیدا کرتا اور ہمارے نفوس کو رضا کی صفت سے معمور کرتا ہے۔ اللہ نے ہم پر جو نعمتیں نازل فرمائی ہیں ان کا عرفان عطا کرتا ہے تاکہ ہم خدا کا شکر ادا کریں اور پھر وہ ہمیں اور زیادہ نعمتیں دے وہ طریقہ یہ ہے کہ جو لوگ دنیا کے مال و متاع میں ہم سے کم درجے کے ہوں ہم ان پر نظر کریں ان لوگوں پر نظر نہ ڈالیں جو ان چیزوں میں ہم سے بڑھے ہوئے ہوں کیونکہ یہ بات ہم میں اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا اعتراف کرنے ان کی عظمت تسلیم کرنے اور ان کا شکر ادا کرنے کی صفات پیدا کرتی ہے۔ ہمیں ان کو (نعمتوں کو) کم اور حقیر جاننے کی خرابیوں سے بچاتی ہے اور ہم دل سے یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں ؎

غافل مقام رنج نہیں جائے شکر ہے۔ سو سے! تو ایک سے بہتر بنا دیا

سابقہ اور مشاہدہ

دنیا میں انسان کو دونوں طرح کے لوگوں سے سابقہ رہتا ہے ۔ اس سے کم درجے کے لوگ بھی ہوتے ہیں اور اعلیٰ درجے کے بھی ۔ عقل مند آدمی جب بیماروں اور روگیوں کو دیکھتا ہے تو اس کی نظر ان سے ہٹ کر اپنی حالت پر پڑتی ہے وہ اپنے آپ کو صحت و عافیت کے لحاظ سے ان سے بہتر پاتا اور خدا کا شکر کرتا ہے ۔ اسی طرح جب اُسے ناقص وضع قطع کے اندھے، گونگے اور بہرے یا بدشکل لوگ نظر آتے ہیں تو وہ ان سے اپنی سلامتی کا موازنہ کرتا ہے ۔ پھر اس کی نگاہ ان لوگوں پر پڑتی ہے جو دنیا سمیٹنے میں مشغول ہیں اور خدا کی جانب سے آزمائے جا رہے ہیں ۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ کے حق کو نظر انداز کر کے دولت جمع کی ہے ۔ وہ جانتا ہے کہ گو اس کے یہاں مال و دولت کم ہے مگر ان لوگوں کے مقابلے میں اس کا دین سلامت ہے ۔ اسی طرح وہ ایسے آدمیوں کو دیکھتا ہے جو فقر و افلاس اور زیر باری میں مبتلا ہیں اس کے بعد ان مصائب سے اپنے آپ کو محفوظ پاتا ہے ۔ اس طرح وہ اپنے اور دوسروں کے حالات کا موازنہ کر کے دیکھتا ہے کہ اللہ نے اسے بکثرت مخلوق کے مقابلے میں اُسے فضیلت و بہتری عطا کی ہے ۔ اس وقت اس کے دل میں اللہ کی عظمت کا احساس

بدرجہا بڑھ جاتا ہے اور اس کی زبان شکر گزاری میں مشغول ہو جاتی ہے وہ اس کی عبادت میں جد وجہد کرنے لگتا ہے اور اپنی معاشں یا موجودہ زندگی پر راضی ہو جاتا ہے اس طرح اُسے دنیا اور آخرت دونوں میں سعادت نصیب ہوتی ہے۔

غلط راستہ!

لیکن اگر وہ اپنی نظر کو صرف اپنے سے اونچے درجے والوں ہی تک محدود رکھے تو اس میں حسد، غم والم، خدا کی نعمتوں کی تحقیر، ادائے شکر میں کوتاہی، اور دنیوی وسائل میں انتہائی طمع کے سوا کچھ نہ ملے گا اور ان ہی جھگڑوں اور بکھیڑوں میں اس کی زندگی ختم ہو جائے گی۔

جائے تنگ چشم دنیا دار را
یا قناعت پر کند یا خاک گور

ہاں اگر ایسے لوگوں پر نظر رکھی جائے جو علم، اخلاق، پاکیزہ اعمال اور عزت و شرف کے وسائل میں تم سے بڑھ کر ہوں اور انھیں دیکھ کر تم میں مدارج کمال پر ترقی کرنے کا جذبہ پیدا ہو تو یہ نظر ایک پسندیدہ نظر ہوگی اور ہر ایسے شخص کے شایان شان ہوگی جو دنیا میں عزت کا اور آخرت میں سعادت و جنت کا خواہش مند ہو ایک شاعر نے اسی

مفہوم پر توجہ دلائی ہے ؎

مَن دَامَ عیشا رغید اَیستفید بہ
فی دینہ ثم فی دیناہ اقبالا
فَلْیَنْظُرَنَّ اِلیٰ من فوقہ ادبا
ولینظرن الی من تحتہ مالا

اور اسے اردو میں اس طرح ادا کیا جا سکتا ہے :۔

صرف دو شخصوں پہ رکھو منحصر اپنی نظر
ایک تو اس مال میں ۔ ہو جسکا رتبہ کم سے کم
دوسرا جو علم میں ہو تم سے زائد کامیاب

غم کا ازالہ

کامیاب اور مؤثر دعا!

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال: دَخَلَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم المسجد فاذا ھُوَ برجُلٍ من الانصارِ یُقَالُ لہ ابو اُمامۃَ جالساً فیہ، فقال یا ابا امامۃ مالی اراک جالساً فی غیر وقت صلاۃ، قالَ ھمومٌ لزمتنی ودیونٌ یارسول اللہ۔ فقال: الا اُعلّمک کلاماً اذا قلتہ اذھب اللہ عزوجل ھمّک وقضی دینکَ۔ فقال بلٰی یارسول اللہ، قال: قُلْ اذا اصبحت وَ اذا امسیت اللھم اِنّی اَعُوْذُبِکَ من الھَمّ والحزن وَاَعُوْذُبک منَ العجز والکسل، واعوذبکَ من البخل والجبن ۵ وَاَعوذبک من غلبۃ الدین وقھرِ الرجال ۵ قالَ: فقلتُ ذلک

فاذهب اللہ ھمّی وقضٰی عنّی دینی۔ رواہُ

ابوداؤد۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو کیا دیکھتے ہیں کہ انصار میں کے ایک شخص بیٹھے ہوئے ہیں جن کا نام ابو امامہ تھا آپ نے فرمایا" اے ابو امامہ میں تمھیں غیر وقت میں (کسی نماز کا وقت نہیں ہے) بیٹھا ہوا کیوں دیکھ رہا ہوں" انھوں نے کہا "یا رسول اللہ مجھے تفکرات اور قرضے چمٹ گئے ہیں" آپ نے فرمایا "میں تمھیں ایسی بات کیوں نہ سکھا دوں کہ جب تم اسے کہہ لیا کرو تو اللہ تمہاری فکر دور کر دے اور قرض ادا کر دے" انھوں نے کہا "ہاں یا رسول اللہ" آپ نے فرمایا" صبح و شام یہ کہا کرو" اے اللہ میں فکر اور صدمے سے اور عاجزی و سستی سے پناہ مانگتا ہوں، کنجوسی اور بزدلی سے پناہ مانگتا ہوں، قرض کے غلبے اور لوگوں کے غصے سے پناہ مانگتا ہوں" انھوں نے کہا "میں نے یہ فقرے کہے تو اللہ نے میری فکر دور کر دے اور میرا قرض ادا کر دیا۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

تشریح

انصار مدینے کے وہ لوگ کہلاتے ہیں جن کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب ہجرت کرکے تشریف لے گئے اور ان لوگوں نے انھیں پناہ دی اور ان کی ہر طرح اعانت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ میں سے ایک شخص کو مسجد میں ایسے وقت دیکھا جب کہ نماز کا وقت نہ تھا اور مسلمان کی شان جد وجہد اور عمل کرنا ہے، ضعف اور سستی مسلمان کے شایان نہیں۔ پھر مسجد میں رہنے اور آرام کرنے کا مقام نہیں ہیں صرف مقررہ اوقات میں عبادت اور خدا کی یاد کرنے کے لئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے اس صحابی کو دیکھا تو" پوچھا کہ مسجد میں بیٹھ رہنے کا کیا سبب ہے؟ صحابی نے جواب دیا کہ قرض بہت ہوگیا ہے۔ فکریں ہر وقت گھیرے رہتی ہیں اسی لئے لوگوں کو چھوڑ دیا ہے اور غیر وقت میں بھی مسجد میں آجاتا ہوں اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چند ایسے کلمات سکھانے پر آمادگی ظاہر فرمائی جن کو صبح وشام پڑھ لیا جائے تو تفکرات و آلام جاتے رہیں گے، جنھوں نے فکر میں مبتلا کرکے عیش کو تلخ کر دیا ہے اور سونا اور چین سے رہنا حرام کر دیا ہے۔ ان صحابی نے کہا "یا رسول اللہ

میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے یہ کلمے سکھا دیں"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ہدایت فرمائی کہ وہ آٹھ باتوں سے پناہ مانگا کریں۔

اسباب فکر!

ان میں سے پہلی اور دوسری بات فکر اور غم ہے فکر اور بے چینی ایسے اہم معاملات میں ہوتی ہے جن سے یا تو انسان اپنی امیدیں لگائے رہتا ہے یا ان سے شر پیدا ہونے کا اندیشہ اُسے ستاتا رہتا ہے۔ جیسے مدرسہ کے طالب علم کا حال ہے۔ جب سند والا امتحان قریب آتا ہے تو ہر وقت تیاری کی فکر میں مشغول رہتا ہے اور امتحان مشکل ہونے کا اندیشہ ہر گھڑی اس پر مسلط رہتا ہے ساتھ ہی یہ بھی سوچتا رہتا ہے کہ اگر وہ پاس نہ ہوا اور اسی جماعت میں رہ گیا تو کیا ہوگا یا اگر کامیاب ہوا تو پھر کیا شغل اختیار کرے گا۔ اسی طرح بجائے اس کے کہ اسباق تیار کرنے کی سعی کرے، مضامین اور مطالب کو ذہن نشین کرے، زیادہ ضروری کام انجام دے اور نتائج کو فقط اللہ پر چھوڑ دے بے فائدہ امور میں اپنا وقت ضائع کرتا رہتا ہے حالانکہ اس کا اعتقاد ہے کہ جو اچھے کام کرے اللہ اس کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

یا کسی مقدمہ والے کا حال ہے جس کا مقدمہ حکام عدالت کے

اجلاس پر پیش ہو۔ ایسا شخص اکثر مقدمے کی نتیجے کی طرف سے مغموم و فکر مند نظر آتا ہے۔ ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں اس کے حریف کے موافق فیصلہ نہ ہو۔ وہ عدالت سے فیصلہ صادر ہونے تک برابر قلق اور اضطراب کا شکار رہتا ہے، اس حالت میں جو کام انجام دینا واجب ہیں ان سے کوتاہی کرتا ہے اور ایسی تدبیروں سے غافل ہو جاتا ہے جو برے فیصلے سے بچا سکتی ہیں)۔ اس کے لئے بہتر تو یہی ہے کہ اپنا وکیل ایسے شخص کو مقرر کرے جو سچائی اور خلوص کے ساتھ اس کی طرف سے بچاؤ کی تدبیر کرے، ایسے دلائل اور ثبوت مہیا کرے جو اس کے حق کو دشمن کے باطل پر غالب رکھیں۔ اسے چاہیئے کہ وہ یہ سب کام بڑی مستعدی سے کرے تاکہ اگر فیصلہ اس کے خلاف بھی ہو تو ایسی شکلیں پیدا ہو جائیں جن سے سزا میں کمی اور اس کے صدمات کم ہوسکیں۔ نہ یہ کہ دشمن کو پورا پورا موقع دے کہ وہ اس کے خلاف جو جو چالیں چلنا اور حیلے اور فریب کرنا چاہتا ہے ان میں اچھی طرح کامیاب ہو جائے۔

'یہ مسلمان کی شان نہیں ہے کہ بے فائدہ باتوں اور گپوں میں مشغول ہو کر اپنے مقاصد کے حصول سے غفلت کریں، یا حادثوں سے ڈرتے رہیں اور جب ان پر کوئی مصیبت پڑے تو ہوش و حواس کھو بیٹھیں اور گھبرانے اور پریشان ہونے لگیں ــــ ایسے لوگوں کے لئے مناسب ہے کہ ہر

بات کے لئے مناسب حال تیاری کریں اور ہر شدت یا آفت سے بچاؤ کی تدبیر میں مشغول ہوں۔ اور بلا سے نجات دلانے اس سے دور رکھنے، یا کم از کم اس میں کمی پیدا کرنے کی فکر سے غافل نہ ہوں۔

چونکہ تفکرات سے بے فائدہ وقت ضائع ہوتا ہے، فرائض و واجبات میں کوتاہی واقع ہوتی ہے، آدمی متوقع بھلائی کی فکر سے یا جس شر کا اندیشہ ہے اس کی تدبیر سے غافل ہو جاتا ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پناہ مانگی، اسی طرح محبوب شے کے فوت ہونے یا ہاتھ سے جاتے رہنے اور کسی ضرر کے لاحق ہونے پر جو غم ہوتا ہے اس سے بھی پناہ مانگی کیونکہ یہ بات بھی مذموم ہے اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا (اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھو اور غم نہ کرو) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فرمایا ہے لا تحزن ان اللہ معنا (غم نہ کرو بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے)

نتیجہ کیا ہے؟

یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ اگر غم کسی کھوئی ہوئی چیز کو واپس لاتا یا کسی آنے والی آفت کو دفع کر دیتا تو اس بات میں معذور ہوتے لیکن وہ تو ایک ضائع کرنے والی چیز ہے جس میں قضا و قدر پر برہمی و غصہ اور

ایسی چیز سے تعلق خاطر ظاہر ہوتا ہے جس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں وہ ہمیں ان وسائل واسباب کے استعمال کی طرف سے کاہل بنا دیتا ہے جو کسی مصیبت کو دفع یا کسی صدمے کو کم کر سکتے ہیں۔ اس وجہ سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے۔

مومن کا کام ہے کہ صبر کی زرہ پہنے اور ان حادثوں سے جو اس پر یا غیروں پر نازل ہوتے ہیں آئندہ کے لئے نصیحت حاصل کرے تاکہ جن آفتوں میں پڑ چکا ہے آئندہ ان میں مبتلا نہ ہو۔ اللہ تعالےٰ کی عادت ہے کہ وہ مصائب کے ذریعے آزماتا ہے تاکہ ناپاکوں اور پاکیزہ لوگوں میں امتیاز ہو سکے اور قوی العزم، صابر اور جدوجہد کرنے والے آدمیوں اور سست ارادہ، پست ہمت اور گھبرا جانے والوں لوگوں میں تمیز ہو جائے۔

فرمانِ خداوندی

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَلَنَبْلُوَنَّکُم بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِینَ" ۰ (اور ہم تمہیں تھوڑے خوف، بھوک، مال وجان اور ثمرات کے نقصان کے ساتھ ضرور آزمائیں گے، اے محمد تم صبر کرنے والوں کو بشارت دو)

ایک جگہ فرمایا ہے اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْا اَنْ یَّقُوْلُوْا آمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکَاذِبِیْنَ۔ (کیا لوگوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ وہ یہ کہہ دینے سے کہ ہم ایمان لے آئے چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا، حالانکہ ہم نے ان سے پہلوں کو آزمایا ہے۔ اللہ ضرور ایسے لوگوں کو جان لے گا جنھوں نے سچ کہا اور انھیں بھی جو جھوٹے ہیں)

تیسری اور چوتھی چیز جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے عاجزی اور کاہلی ہے۔ عاجزی کسی چیز پر قادر نہ ہونا اور کاہلی استطاعت و قدرت ہونے کے باوجود کسی کام سے بیٹھ رہنا ہے جب یہ علم ہو جائے گا کہ اس زندگی میں انسان کا مرتبہ و مقام اور عزت و سربلندی عمل ہی سے ہے اور اسی کے ذریعے آخرت میں سعادت اور ابدی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں اور عاجزی و کاہلی مومن کے لیے بدترین بلائیں ہیں تو ان دونوں روگوں کی شدت اور خرابی اچھی طرح سمجھ میں آجائے گی خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِکَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ اس نے دنیا و آخرت میں خسارہ اٹھایا اور یہ کھلا ہوا خسارہ یا نقصان ہے۔

بچاؤ کی صورت

عاجزی سے بچاؤ کی صورت یہ ہے کہ اس کے اسباب سے اجتناب کرے اور ایسی محنت شاقہ یا خطرناک کام نہ کرے جس میں بعض کارآمد اعضا کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ موجود ہو یا آیندہ کام کرنے کی قدرت ہی جاتی رہے اور اس کا شمار ان عاجزوں اور معذوروں میں ہونے لگے جن کے بنائے کچھ نہیں بنتی۔ جو شخص اپنی طاقت سے زیادہ مشقت کرتا ہے اور بقدر ضرورت آرام کرنے اور حلال و طیب اشیا کے کھانے پینے میں نفس کا جتنا حصہ ہونا چاہیے اُسے نہیں دیتا' اپنے امراض کا علاج نہیں کرتا' دوا کڑوی ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیتا ہے' اپنی جان کی طرف سے بخل کرتا ہے' طبیب کا معاوضہ یا دواؤں کی قیمت دینے سے ڈرتا ہے ایسا شخص گویا اپنے آپ کو عاجز بنانے کی خود کوشش کرتا ہے' وہ خود اپنے ساتھ بدترین جرم کر رہا ہے۔ اور جو شخص اللہ کے ساتھ عاجزی سے پناہ تو مانگتا ہے مگر اوپر بیان کی ہوئی صورتوں میں کسی نہ کسی طرح اپنی عاجزی کی صورتیں بھی پیدا کرتا جاتا ہے وہ ایسی بات کہتا ہے جس پر عمل نہیں کرتا کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (اللہ کے نزدیک یہ بات سخت ناپسندیدہ ہے کہ تم وہ بات کہو جس پر عمل نہیں کرتے)

کاہلی و سستی سے بچاؤ کا طریقہ یہ ہے کہ ارادہ میں قوت پیدا کی جائے، جد و جہد اور کوشش کے عادی اشخاص سے میل جول رکھا جائے عمل کے اسباب مہیا کئے جائیں، عمل کی لذت اور تمناؤں میں کامیابی کا لطف محسوس کیا جائے، ذہن میں ناکامی و نامرادی کی تصویر کھینچی جائے اور اس حقیقت کو پہچانا جائے کہ عزت و سربلندی عمل کرنے اور خطرات کا مقابلہ کرنے سے ہی حاصل ہوتی ہے اور تباہی و بدنصیبی ہمیشہ کاہلی کا اور پڑے پڑے آرام کرنے کا نتیجہ ہوتی ہے۔

بزدلی اور بخل

پانچویں اور چھٹی بات بزدلی اور بخل ہے۔ بزدلی اپنی جان یا نفس پر حریص رہنا ہے اور بخل مال کی حرص کا دوسرا نام ہے۔ جو شخص اپنی جان سے بخل کرتا ہے، اسے دین کی راہ میں خرچ کرنے سے کتراتا اور حق کے نشانات قائم کرنے میں جان کی بازی لگانے سے جھجکتا ہے، ملک کی حفاظت کرنے، اس پر زیادتی کرنے والوں اور اس کی بے عزتی کرنے والوں کو دفع کرنے میں پس و پیش اور بخل سے کام لیتا ہے، جن لوگوں نے اس کے ملک کے حقوق چھین لئے ہیں، اس کے رہنے سہنے والوں کو ذلت و غلامی پر مجبور کر دیا ہے، ان میں ظلم و استبداد کا بازار گرم کر رکھا ہے

انھیں دور کرنے میں اپنی جان کھپاتے ہوئے ڈرتا ہے جس سے ایسے مواقع پر رفعت و شرف کی بنیاد مضبوط ہوتی ہے تو ایسا شخص وہ ہے جس نے اپنے نفس کو مار ڈالا ہے اور اس کے بدلے نحوست خرید رہا ہے اگرچہ اس کا بدن زندہ ہے لیکن روح مر چکی ہے' اس کا بلند مقام نفس فنا اور حیات پاکیزہ ختم ہو چکی ہے۔ کیسے کو ایسے کتنے لوگ ہیں جنھیں زندہ کہا جاتا ہے مگر در اصل وہ مردوں کے شمار میں ہیں اور کتنے مرنے والے ایسے پائے جاتے ہیں جو زندوں کے زمرہ میں ہیں وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوا فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتاً بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ فَرِحِیْنَ بِمَا آتَاھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ (اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے انھیں مرا ہوا ہرگز نہ گمان کرنا' نہیں بلکہ وہ تو زندہ ہیں جنھیں ان کے رب کے یہاں رزق دیا جاتا ہے اور اللہ نے ان پر جو فضل فرمایا ہے وہ اس سے خوش ہیں)۔ اس لئے حقیقی زندگی تو یہی ہے کہ تم جب تک زندہ رہو' تمھارا سرا لوگوں میں اونچا رہے' تم اپنے قول' عمل' قلم' رائے اور عقیدہ میں ایک خاص عزت کے حقدار رہو اور ایسی قوم میں جیو جس پر کسی کا تسلط نہ ہو' ایسی میں نہیں جس کی گردنیں' حقوق' اور مال و جائداد دوسروں کے زیر حکومت ہوں۔ تم ایسی قوم بنو جس کی رائے کا احترام کیا جاتا ہو' بات کا اثر ہو اور اس کی مصالح مقدس اور لائق عزت ہوں۔

ظاہر ہے کہ ایسی قوم میں صرف وہی شخص رہ سکتا ہے جو قوم کے دفاع میں جان دینے اور اس کی بھلائی کے لئے اور مضرت دفع کرنے کے لئے زندگی گزارنے سے دریغ نہ کرتا ہو۔ یہی شخص حقیقت میں فیاض جوانمرد اور سچا بہادر ہے ؎

تَأَخَّرتُ استبقی الحیاۃ فلم اَجِدْ
لِنفسی حیاۃً مثل ان اَتقدّما

(میں زندگی باقی رکھنے کے لئے پیچھے رہ گیا تو میں نے اپنے لئے زندگی کو اس لائق نہ پایا کہ اُسے پیش کردں یعنی میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہا۔)

رہا وہ شخص جو مال سے بخل کرتا ہے اُسے اپنی راحت اور خوشحالی میں اور اپنے آپ کو سنوارنے اور اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے صرف نہیں کرتا، فقرا و مساکین اور عاجزوں اور معذوروں پر، جہاد پر دشمنوں سے مقابلہ کے انتظام اور مصالح عامہ پر خرچ کرنے میں بخل کرتا ہے اور روپیہ خزانے میں جمع کر کر کے رکھتا ہے، وہ صرف اپنے آپ کو ہلاک اور اپنی قوم کو تباہ کرنے کے لئے کوشاں رہتا ہے۔ جو شخص اپنی دولت کو ذخیرہ کرتا جاتا ہے اور حقوق کو نظر انداز کر دیتا ہے وہ کیا چاہتا ہے؟ کیا اس کو یہ طمع ہے کہ اس دولت کو اپنے ساتھ

قبر میں لے جائے گا یا اس غربت اور تنہائی کے عالم میں اس میں خرچ کر سکے گا کیا یہ مال اس وقت کام آئے گا جب یہ اسراع المحاسبین۔ (نہایت تیزی سے حساب کرنے والے) کے سامنے کھڑا ہو گا اور قیامت کی ہیجنیں اور خطرات انتہائی شدت پر ہوں گے۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا مرنے کے بعد انسان کو مال کوئی نفع نہیں دے سکتا جب تک اس کا کوئی نیک عمل اس کے بچاؤ اور امداد کے لئے موجود نہ ہو' اس کے برخلاف یہی مال اس کے لئے ایک عذاب اور وبال بن جائے گا۔ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِن فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُم بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (اور وہ لوگ جو اس چیز میں بخل کرتے ہیں جو خدا نے اپنے فضل میں سے انھیں دی ہے یہ گمان ہرگز نہ کریں کہ یہ بخل ان کے لئے بہتر ہے' نہیں وہ تو ان کے لئے برائی ہے اور عنقریب قیامت کے دن انھیں اس بخل کی وجہ سے طوق پہنایا جائے گا) "وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ" اور جو لوگ سونے اور چاندی کو خزانے میں رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انھیں اس

دن کے دردناک عذاب کی خوشخبری دو جب ان چیزوں کو جہنم کی آگ میں دہکایا جائے گا اور ان سے ان کی پیشانیاں، پہلو اور ان کی پیٹھ کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا) یہ ہے وہ جسے تم نے اپنے لئے خزانے میں دفن کیا تھا، اب اسی چیز کا مزہ چکھو جسے تم دفن کر کر کے رکھتے تھے) سچا مومن تو وہی ہے جو دین کی راہ میں اپنی جان صرف کرے اور اپنی قوم کی شان بلند کرنے میں اپنا مال خرچ کرے۔

قرض کی مصیبت

ساتویں اور آٹھویں چیز جس سے جناب رسالت مآبؐ نے پناہ مانگنے کی تعلیم دی ہے وہ قرض کا غلبہ اور لوگوں کا غصہ ہے۔ قرض۔ خدا پناہ میں رکھے جب انسان پر غلبہ پالیتا ہے تو اس کی عزت، نعمت، دولت جائداد قدیم ہو یا جدید سب کچھ چھین لیتا ہے۔ جب قرض مسلط ہوتا ہے تو اس کا خیال، فکر، عقل، صلاح و سداد اور ہوش و حواس ہر چیز پر قابو پالیتا ہے اس حالت میں وہ نہ زندگی کا کوئی لطف اٹھا سکتا ہے نہ کچھ سوچ سمجھ کر اپنے لئے کوئی مناسب راہ نکال سکتا ہے۔ قرض صرف ایسے ہی شخص پر غلبہ پاتا ہے جو بغیر کسی سوجھ بوجھ کے قرض لیتا ہے، جو اپنے معاملات کے انتظام اور تدبیر سے قاصر رہتا ہے اور ایسے آئینی طریقے

تلاش نہیں کرتا جن سے اپنی حالت سنبھال سکے۔

فتورِ نیت

ایسا شخص جب قرض لیتا ہے تو اس کو ادا کرنے کا عزم نہیں رکھتا بلکہ اس کی نیت میں فتور ہوتا ہے اکثر اس قسم کے لوگ کسی شدید ضرورت سے نہیں بلکہ نفسانی خواہشیں یا شہرت، خوشامد اور ریاکاری کے تقاضے پورے کرنے کے لئے لیتے ہیں لیکن ان کے برخلاف جو لوگ نہایت مجبور ہو کر کسی شدید ضرورت سے قرض لیتے ہیں اور اُسے ادا کرنے کا عزم رکھتے ہیں، ایسے لوگوں کا اللہ ضامن ہوتا ہے، انھیں نیک باتوں کی توفیق دیتا ہے اور ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے کہ انھیں گمان بھی نہیں ہوتا یہاں تک کہ انھیں اس قسم کے غموں اور صدموں سے نجات مل جاتی ہے۔ "وَمَن یَتَّقِ اللّٰہَ یَجعَل لَّہٗ مَخرَجاً وَیَرزُقہُ مِن حَیثُ لَا یَحتَسِبُ وَمَن یَتَوَکَّل عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسبُہٗ" (اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے وہ اس کے لئے راہ پیدا کر دیتا ہے اور اُسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے کہ اُسے گمان بھی نہیں ہوتا، اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہی اس کے لئے کافی ہوتا ہے۔)

لوگوں کے غلبے کی شکلیں بہت سی ہو سکتی ہیں، وہ ذلیل کر کے، غلام

بنا کر یا مخالفتوں اور نزاعوں میں قابو پا کر غلبہ حاصل کرتے ہیں یا جنگ و
جدال کے میدانوں میں جیت کر دوسروں کو مغلوب کرتے ہیں۔ اس لئے
ہم پناہ مانگتے ہیں کہ ہم پر کوئی شخص ظالمانہ قابو حاصل کر کے ہمیں اپنا
آلۂ کار بنائے اور ہمارے سروں پر اپنی جھوٹی عظمت اور موہوم عزت
کی بنیاد رکھے اور خود ہماری عظمت و ارجمندی کے نشانات مٹا کر رکھ
دے۔ اسی طرح ہم اس سے پناہ مانگتے ہیں کہ ہم پر ہمارا دشمن قابو پالے
اور اپنے باطل کو ہمارے حق کے مقابلہ میں مدد دے اور ہم پر اس کے
احکام جاری ہوں، وہ ہمارے مردوں کو قتل کرے، ہمارے اموال
کو غارت کرے اور عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنائے اور ہماری
عزت کو تباہ و برباد کرے۔ ہم ان تمام باتوں سے پناہ مانگتے ہیں اس
سے قوت و استعداد کے مسائل ہیں تاکہ دشمن ہمیں نہ ڈرا سکیں اور
ہمارے لئے سعادت و عظمت کے اسباب اتنے پیدا ہو سکیں کہ کوئی
فرد یا قوم ہم پر ظلم نہ کر سکے۔

اُمور ہشت گانہ

یہ ہیں وہ آٹھوں امور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو امامہ
کو تعلیم فرمائے ہمیں چاہیئے کہ ہم بھی انھیں صبح و شام کا ورد بنا کر جسمانی

غذا کے ساتھ روحانی غذا بھی بہم پہنچائیں تاکہ ہمارے نفوس کامل لذت حاصل کرسکیں۔

خبردار ان باتوں سے پناہ مانگنے کے ساتھ کہیں یہ نہ کرنا کہ تم خود ان میں آلودہ رہو، تم پر واجب ہوگا کہ ان سب سے اجتناب کرو اگر یہ تم میں موجود ہوں تو ان کو چھوڑ کر نجات حاصل کرو۔ غرض یہ نہ ہو کہ زبان سے تو نکتہ چینی کی جائے اور دل میں برا نہ سمجھا جائے کیونکہ پاکیزہ دعوت یا ہدایت وہی ہے جو زبان پر آنے سے پہلے دل سے نکلے۔

بہتر صدقہ

تندرستی اور سلامتی کے زمانہ کا ہے!

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رجل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم یا رسول اللہ أیّ الصدقۃ أفضل؟ قال: أن تصدّق وأنت صحیح حریص (وفی روایۃ شحیح) تأمل الغنی وتخشی الفقر، ولا تمہل حتی اذا بلغت الحلقوم قلت لفلان کذا، ولفلان کذا، وقد کان لفلان۔ رواہ البخاری۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا "یا رسول اللہ، کونسا صدقہ افضل ہے؟" فرمایا "تم اس حال میں صدقہ دو کہ تم تندرست اور حریص ہو (اور ایک روایت میں ہے بخیل ہو) دولت کی توقع رکھتے ہو، افلاس

سے ڈرتے ہو، اور صدقہ دینے میں ڈھیل نہ دو یہاں تک کہ جان حلق تک آپہنچے (مرنے کا وقت قریب آجائے) اور تم (بطور وصیت) کہنے لگو کہ (میرے مال میں سے) فلاں کا اتنا حصّہ ہے اور فلاں کا اتنا۔ حالانکہ وہ فلاں (وارث) ہو گیا، یا فلاں کا مجھ پر اتنا قرض تھا اسے بخاری نے روایت کیا۔

لغت

حرص: طمع، لالچ

شح : انتہائی بخل

تامل۔ امید رکھتے ہو، طمع رکھتے ہو۔

بَلَغَتِ الحُلقُومَ : جان حلق تک پہنچ جائے (مرنے کے قریب ہو)

حُلقوم : حلق، گلا

لفلان ، فلاں شخص کا پہلے اور دوسرے 'فلاں' سے مراد موصٰی لہ (جس کے لئے وصیت کی جائے) ہے مطلب یہ ہے کہ جب تم وصیت کرو کہ فلاں کو اتنا دیا جائے اور فلاں کو اتنا، آخری (فلاں) وارث یا ایسے شخص کے لئے ہے جس کے متعلق وصیت کرنے والا اقرار کر جائے کہ اس کا مجھ پر اتنا قرض ہے۔

تشریح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب بہترین عبادات پسند کیا کرتے تھے اور ان کے متعلق آپ سے دریافت کرنے میں کبھی پیچھے نہ رہتے تھے۔ ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ جو عبادت یا ثواب کا کام اللہ کے نزدیک سب سے بڑا ہو اس کے ذریعے اللہ کا تقرب حاصل کریں اور بلند درجات تک پہنچیں ان میں سے کسی نے آپ سے پوچھا کہ سب سے زیادہ ثواب کس صدقے کا ہے آپ نے فرمایا اس حالت میں صدقہ دینا کہ تم صحیح و تندرست ہو، تمھارے جینے کی امید منقطع نہ ہوئی ہو، تمھارے قدم قبر کی طرف نہ بڑھ رہے ہوں، کیونکہ ایسے حالات میں مرض کی وجہ سے آدمی کا ہاتھ اپنے مال اور ملک کی طرف سے کوتاہ ہو جاتا ہے، اور وہ سخاوت سے قاصر رہتا ہے، اس لئے بخل کا دھبہ اس کی پیشانی سے نہیں مٹتا نہ اس وقت کی داد و دہش اس کی پاکیزہ نفسی پر دلالت کر سکتی ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب زندگی سے ملول اور عیش سے بیزار ہو چکتا ہے اور اسے صاف نظر آنے لگتا ہے کہ اس کا مال غیر کا ہوا جا رہا ہے۔ اس کے برخلاف جب وہ تندرست ہوتا ہے تو اس کے دل میں مال کا ایک مقام اور جان کی محبت موجود

ہوتی ہے وہ جینے کی طمع رکھتا ہے اور مفلس ہو جانے سے خائف رہتا ہے حرص اس پر غالب ہوتی ہے۔ ایسے زمانے میں صدقہ دیا جائے یا مال خیرات کیا جائے تو اس کے اس فعل میں سچا اور صحیح خلوص پایا جائے گا اور ثواب کے لحاظ سے اس کا درجہ بہت بڑا ہوگا۔ یہی صورت اس وقت ہوگی جب مال جمع کرنے کی حرص بڑھی ہوئی ہو اور اُسے ذخیرہ کرنے کے اسباب کافی پائے جاتے ہوں' اس وقت بھی اگر وہ سخاوت کرے گا تو یہ چیز نیکیوں کی طرف اس کی رغبت اور خدا کی رضا جوئی پر دلالت کرے گی۔

جب تک موت قریب نہ آجائے صدقہ کرتے رہنا چاہیے۔ اس میں تاخیر نہ کرے کیونکہ ایسے وقت۔ وہ اپنے کل مال میں تصرف کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ مریض کو صرف تہائی مال خیرات کرنا جائز ہے اس سے زیادہ نہیں اگر وہ اس مقدار سے زیادہ خرچ کرنا چاہتا ہو تو اس کے وارثوں کو حق پہنچتا ہے کہ چاہیں تو اس میں تصرف کرنے کی اجازت دیں نہ چاہیں تو روک دیں۔

یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ صحت کی حالت میں قرض ادا کرنا اور صدقہ دینا مرض کی حالت سے بہتر ہے کیونکہ اولے قرض کے موقع پر اکثر شیطان مفلس ہو جانے سے ڈراتا ہے

اسے زیادہ عمر پانے کے سبز باغ دکھاتا ہے اور مال کی حاجت واہمیت محسوس کراتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرماتا ہے۔ الشیطانُ یَعِدُکُمُ الفقرَ (یعنی شیطان تمھیں افلاس سے ڈراتا ہے) اور اس نے فرمایا ہے "وَاَنفِقُوا مِمَّا رَزَقنٰکُم مِن قَبلِ اَن یَاتِیَ اَحَدَکُمُ الموت" (اور ہم نے جو کچھ تمھیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو اس سے پہلے کہ تم سے کسی کو موت آجائے)۔ حدیث میں ہے "اس شخص کی مثال جو اپنی موت کے وقت غلام آزاد کرتا اور صدقہ دیتا ہے۔ اس شخص کی سی ہے جسے شکم سیر ہو جانے پر تحفہ دیا جائے (جیسے پیٹ بھرے کو تحفہ دینا غیر ضروری اور بے فائدہ ہے)

صَدقہ اور خیرات

لیکن کبؔ اور کس حد تک — ؟!

عن سعد بن ابی وقّاص رضی اللہ عنہ قال: جاء نی:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یعُوْدُنی من وجعٍ اشتدَّ بیْ
فقُلْتُ یا رسول اللہ قد بلَغَ بی مِنَ الوجع ما تریٰ وانا ذو مالٍ
ولا یرثُنی اِلا ابنةٌ افأتصدّقُ بثُلثَی مالی ؟ قال لا
قُلتُ فالشَّطرُ یا رسول اللہ ؟ قال لا قُلْتُ فالثُّلث ؟
قال الثُّلثُ والثُّلثُ کثیرٌ، اِنَّکَ اَن تذرَ وَرَثَتَکَ
اَغنیاء خیرٌ مِنْ اَن تذرَهُم عالةً یتکفّفون الناسَ
واِنّکَ لن تُنفِقَ نفقَةً تبتغی بِها وجْهَ اللہ رواہ
البخاری۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اس درد کی عیادت کے لئے تشریف لائے جو بہت شدید ہو گیا تھا، میں نے کہا یا رسول اللہ میرے درد کی جو حالت ہو گئی ہے آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں، میں صاحب مال ہوں اور ایک بیٹی کے سوا میرا کوئی وارث نہیں، کیا میں اپنا دو تہائی مال صدقہ کر دوں؟ فرمایا نہیں، میں نے کہا "آدھا"، فرمایا "نہیں" میں نے کہا پھر ایک تہائی؟ فرمایا ایک تہائی اور ایک تہائی بہت ہے۔ بیشک۔ اگر تم اپنے وارثوں کو دولت مند چھوڑ جاؤ تو یہ انھیں فقر و مفلس چھوڑ جانے سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے رہیں۔ اور بیشک تم جو کچھ بھی اللہ کی رضا جوئی کے لئے خرچ کرو گے تمھیں اس کا ثواب ضرور ملے گا۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔

لغت

وجع: درد، عربی میں ہر بیماری کے لئے وجع کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے

اِشتدّ: شدید ہو گیا، قوی ہوا۔

ذومالٍ۔ مال دار، مراد بہت دولت مند، یہاں تنوین اظہار کثرت کے لئے ہے۔

اِبْنَتُہٗ : (بیٹی) سعد رضی اللہ عنہ کی اس بیٹی کا نام عائشہ تھا۔ اس وقت سوائے اس بیٹی کے ان کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اس کے بعد وہ اس مرض سے اچھے ہوگئے اور ان کے یہاں بکثرت اولاد ہوئی جن میں چار بیٹے تھے اور بارہ لڑکیاں۔

لَایَرِثُنِیْ : (میرا وارث نہ ہوگا) سے مراد یہ ہے کہ میری اولاد میں کوئی ایسا نہیں ہے جو بیٹی کے سوا میرا وارث ہو۔ ورنہ ان کے عصبات موجود تھے۔

اَلشَّطْرُ ۔ نصف

اَلثُّلُث : جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب میں مذکور ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ ثلث تمھارے لئے کافی ہے۔

وَالثُّلُثُ کَثِیْر : سے مطلب یہ ہے کہ تہائی مال صدقہ کر دینا بہتر و احسن ہے، اور اس کا اجر بہت ہے، یا یہ کہ ثلث مقدار میں بہت کم نہیں۔

تَذَرُ ۔ چھوڑ دو گے۔

عَالَۃ : عائل کی جمع ہے، فقرا۔

یَتَکَفَّفُوْن : ہاتھوں سے سوال کرتے ہیں، دست سوال بڑھاتے ہیں۔

تشریح

اس حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے مسلمانوں کی حالت ظاہر ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی رضاجوئی کے لئے بہترین قسم کے اعمال پر کتنے حریص رہتے تھے۔ جب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے مرض کی شدت محسوس کی اور اندیشہ لاحق ہوا کہ موت قریب آپہنچی ہے اور پھر یہ بھی احساس ہوا کہ دولت بہت زیادہ ہے اگر اُسے اکیلی ایک بیٹی کے لئے چھوڑ گئے جس کے سوا کوئی وارث نہ تھا تو یہ دولت اُسے پریشانی میں ڈال دے گی یا یہ اس کا اچھی طرح انتظام نہ کرسکے گی یا ایسے حالات پیدا ہوجائیں گے جن سے نہ انھیں اجر ملے نہ لڑکی کو، اس لئے آپ سے اجازت طلب کی کہ دو تہائی دولت صدقہ کردیں کیونکہ ان کے نزدیک باقی ایک تہائی ان کی بیٹی کے لئے کافی تھی خواہ وہ بغیر شوہر کے رہے یا شادی کرے، اتنی مقدار سے اس کی خیر وفلاح کا سامان ہوسکتا تھا اور اس طرح انھوں نے جو کچھ اپنے لئے کیا اللہ کے نزدیک اس سے ان کے مراتب بلند ہوجائیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو تہائی مال صدقہ کرنے کی اجازت نہیں دی، پھر نصف مال کے لئے اجازت چاہی آپ نے اسے بھی منظور

نہ فرمایا۔ اس کے بعد انھوں نے تہائی مال تصدق کرنے کی اجازت چاہی جو آپ نے دے دی۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقے کی حکمت بیان فرمائی کہ مسلمان کا ثواب اسی صدقے تک محدود نہیں رہتا جو وہ اپنے مرنے سے پہلے کرچکا ہے۔ بلکہ اگر وہ اپنی اولاد کو لوگوں کے سامنے دست سوال بڑھانے سے بے نیاز کر دے اور ان سے فقر و فاقہ کی ذلت دور کرے تو اس کا بھی ثواب پاتا ہے۔ مومن کا ثواب اسی حد تک نہیں ہے اُسے تو ادنیٰ ترین دنیوی سعادت پر بھی ثواب ملتا ہے جب کہ اس سے رضائے الٰہی مقصود ہو۔

غور کرو کہ خدا کتنا بڑا رحیم و کریم ہے اور مسلمان کے بعض مال کے صدقے پر کس طرح راضی ہو جاتا ہے جب کہ اس میں خلوص موجود ہو اور ریا و نفاق کا لگاؤ نہ ہو اور اس کی ادنیٰ نیکیوں پر بھی کیسی رحمتیں نازل فرماتا ہے۔

وارث کا حق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو وارثوں کے متعلق بھی نصیحت فرمادی تاکہ جواب ان حالات سے پوری طرح مطابق رہے جن میں سعد کو صورت آسکتی تھی۔ خواہ اکیلی ان کی بیٹی وارث ہو یا اس

کے ساتھ اور لوگ بھی ہوں یا کوئی اور ان کا وارث بنے۔ آپ نے تنہا ان کی بیٹی ہی تک جواب کو مخصوص نہیں فرمایا تاکہ اس میں تمام ورثہ شامل رہ سکیں آپ نے ان سے مطالبہ فرمایا کہ وہ ان لوگوں کو اتنا غنی کردیں کہ سوال کی ذلت سے بچ جائیں۔

اس حدیث کے آخر میں ایک لطیف نکتہ یہ ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ کا سوال ظاہر کررہا تھا کہ وہ ثواب کے بکثرت ہونے پر راغب ہیں جب انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تہائی مال سے زیادہ صدقہ کرنے سے منع کردیا تو تسلی وخوشنودی ظاہر کرنے کے لئے ان سے یہ بھی فرمایا کہ تم اپنے مال میں سے جو کچھ بھی نقد وجنس میں سے صرف کروگے وہ اگر واجبی ہوگا تو اس پر بھی ثواب ملے گا بشرطیکہ اس سے رضائے الہی مطلوب ہو۔

چند مزید امور

جو امور اوپر بیان ہوچکے ہیں اس حدیث سے ان کے سوا حسب ذیل باتیں اور واضح ہوتی ہیں۔

۱۔ اگر کوئی وارث موجود ہو تو تہائی مال سے زیادہ کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں جس شخص کا کوئی وارث نہ ہو اس کے متعلق اختلاف ہے

جمہور ائمہ اس سے زیادہ کی وصیت کرنے سے منع کرتے ہیں حنفیہ زیادہ کے جواز کے قائل ہیں۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ مِنْ بَعْدِ وَصِیَّةٍ یُّوْصِیْ بِهَا اَوْ دَیْنٍ (اس وصیت کی مقدار کے بعد جو کی جائے یا قرض کے بعد) والی آیت میں وصیت مطلق ہے یعنی اس کو تہائی کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا ہے۔ سنت نے اُسے اس شخص کے ساتھ مقید کر دیا جس کا وارث موجود ہو۔ اور جس کا وارث نہ ہو اس کے لئے یہ حکم اب بھی مطلق یا غیر مقید ہے اور اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کیونکہ جس کا کوئی وارث نہ ہو وہ اپنے متعلقین میں سے کسی ایسے کو نہ چھوڑ جائے جس کے مفلس ہو جانے کا اندیشہ ہو۔

۲۔ سنت قرآن کی حدود متعین کرتی ہے، جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

۳۔ شریعت کا ایک شخص سے خطاب کرنا ایسے تمام اشخاص کے لئے عام ہوتا ہے جس میں ایسے حالات پائے جاتے ہوں۔ علماء کا اتفاق ہے کہ یہ حکم عام ہے سعد کے ساتھ مخصوص نہیں۔

۴۔ مشروع یا جائز طریقوں سے مال جمع کرنا مباح ہے اس کے علاوہ اس حدیث سے اعزہ اور اقارب سے حسن سلوک کی ہدایت بھی مفہوم ہوتی ہے۔

عبادت کی کثرت

حدود کی تعین و تشریح ـــ!

عَنْ انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال : جاءَ ثلاثۃُ رَھطٍ اِلی بُیُوتِ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسألُونَ عن عبادَۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ فلمّا أُخبروا کاَنھم تقالّوھا، فقالوا واین نحنُ من النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم، قد غفَرَ اللہُ ما تقدّمَ من ذنبہ وما تاخّرَ، فقال اَحَدھم اما انا فاُصَلّی اللیل ابدا وقال آخرانا اَصُومُ الدّھرَ ولا اُفطر وقال آخرانا اَعتزِلُ النّساءَ فلا اتزوج ابدًا فبلغ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذلک فحمِدَ اللہ واثنی علیہ وقالَ : ما بالُ اقوامٍ قالوا کذا وکذا، اَمَا واللہِ اِنّی لَاَخشاکم للہِ واتقاکم لہٗ لکنّی اَصُومُ و اُفطِرُ، وَاُصَلِّی وارقُدُ، وَاتزوج النّساءَ

فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ — رواہ البخاری
وغیرہ ۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواج کے گھر تین شخص (گروہ) آئے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق پوچھ رہے تھے جب انھیں اس سے خبردار کیا گیا تو ایسا معلوم ہوا جیسے انھوں نے اس عبادت کو کم جانا، پھر کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں ہم کہاں ہوں گے، اللہ نے ان کے تو تمام آنے والے اور گزرے ہوئے گناہ بخش دیئے، پھر ان میں سے ایک نے کہا، میں تو ہمیشہ رات بھر نمازیں پڑھتا ہوں، دوسرے نے کہا، میں ہمیشہ روزہ سے رہتا ہوں اور افطار نہیں کرتا تیسرے نے کہا میں عورتوں سے علٰحدہ رہتا ہوں، کبھی شادی نہ کروں گا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اللہ کی حمد و ثنا کی اور کہا ان لوگوں کا کیا حال ہے جنھوں نے ایسا ایسا کہا مگر میں (اتنا کہہ سکتا ہوں کہ) تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور پرہیزکرنے والا میں ہوں، لیکن میں روزے رکھتا ہوں افطار کرتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں، سوتا ہوں اور عورتوں سے شادی

کرتا ہوں۔ پس جو شخص میرے طریقے سے انحراف کرے وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔ اسے بخاری وغیرہ نے روایت کیا۔

لغت

رھط۔ جماعت اس لفظ کا اطلاق تین سے لے کر دس تک ہوتا ہے یہ اسم جمع ہے اس کا واحد نہیں آتا۔

نفر۔ تین سے دس تک کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

اس حدیث میں جن تین آدمیوں کا ذکر ہے وہ یہ ہیں علی بن ابی طالب عبداللہ بن عمرو، اور عثمان بن مظعون۔ رضی اللہ عنہم۔

تقالّوھا۔ اس کو (یعنی عبادت کو) تھوڑا جانا

اخشاکم للہ واتقاکم۔ اللہ سے ڈرنے اور اس کے لئے تقوی اور پرہیز کرنے میں سب سے زیادہ۔

ما بالُ اقوام۔ ان لوگوں کا کیا حال ہے، ان کا کیا حشر ہوگا۔

رَغِبَ عن الشئِ: اس شئے سے روگردانی کی یا منہ پھیرا۔

رغب فی الشئ: اس کی طرف مائل ہوا یا رغبت کی۔

تشریح

صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم (اللہ ان سے راضی رہے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سی عبادت پسند کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ جتنی عبادت آپ فرماتے ہیں اتنی ہی وہ کریں تاکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک رتبے اور درجے میں آپ سے قربت کا لطف حاصل ہو۔ ان میں سے تین حضرات آنحضرت صلی اللہ کی ازواج کے پاس آئے تاکہ ان سے آپ کے پوشیدہ عبادت کرنے کی مقدار اور کیفیت دریافت کریں، تو انھیں معلوم ہوا کہ آپ کی عبادت ان لوگوں کی عبادت سے زیادہ نہیں ہے بلکہ ان کی عبادت کی بہ نسبت کم ہے اور اس سے تقرب الٰہی کے حصول کا منشا پورا نہیں ہوتا، انھوں نے یہ بھی دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے پچھلے گناہ بخشش دینے کا وعدہ کیا ہے جو انھیں کثرت عبادت سے بے نیاز کر دیتا ہے، اور یہ لوگ اس بات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درجہ میں کم ہیں، انھیں عبادت بڑھانے اور اس کی مداومت کرنے کی ضرورت ہے، لہٰذا ان میں سے ہر ایک نے عہد کر لیا کہ ایک ایسی قسم کی عبادت کو لازم کرے جس کا سلسلہ منقطع نہ ہو، ایک نے راتوں کو نہ سونے اور ہمیشہ اپنی راتیں عبادت میں گزار دینے کا طریقہ اختیار کیا

اور اپنا معمول بنا لیا کہ سونے اور راحت کرنے میں نفس کا جو حصہ مقرر ہے اُسے نہ دیں گے کیونکہ اللہ کی یاد میں بیدار رہنا فکر کو صاف اور ذہن کو شفاف بناتا ہے، نیند سستی و کاہلی کی دعوت دیتی ہے اور بلادت (کند ذہنی) پیدا کرتی ہے۔ دوسرے کو ہمیشہ روزہ رکھنے اور افطار نہ کرنے کا طریقہ بہتر معلوم ہوا کیونکہ روزے خواہشات کے غلبے پر قابو رکھتے ہیں، نفس کی حرص کو توڑتے ہیں، طبائع کے خبث کو دور کرتے ہیں اور اخلاق کی آلودگی کو دھو دیتے ہیں۔ روزہ رکھنے والے میں ضعیفوں فقیروں اور مسکینوں پر رحم اور مہربانی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح تیسرے نے عورتوں سے علیحدہ رہنا اور شادی نہ کرنا پسند کیا کیونکہ ان کے نزدیک۔ ازدواج کے جھگڑے خدا کی عبادت سے غافل کر دیتے ہیں، آدمی معاش کی جد و جہد اور اولاد کی تربیت اور دیکھ بھال کے بکھیڑوں میں پڑ جاتا ہے اور عبادت کے لئے وقت نہیں پاتا۔

فرمانِ نبویؐ

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے مسلمانوں کو مخاطب فرما کر ان اشخاص کے عزم کی غلطی سے متنبہ فرمایا اور انھیں آگاہ کیا کہ اللہ کا تقرب نفس پر برداشت کی قوت سے زیادہ بار

ڈالنے سے حاصل نہیں ہوتا۔ اللہ کے نزدیک بہترین اعمال وہ ہیں جو خواہ تھوڑے ہوں مگر ان میں دوام اور مداومت پائی جاتی ہو۔ ایسے لوگ (جن کا ذکر اوپر ہو چکا) بہت جلد اپنے آپ کو عاجز اور ضعیف بنالیں گے۔ پھر اپنے اندر اعلیٰ عبادات تو خیر ادنیٰ عبادات کی بھی طاقت نہ پائیں گے۔ انھیں چاہیے کہ اپنی جانوں کے ساتھ نرمی کا سلوک کریں تاکہ جو عبادت کرتے ہیں اُسے دوام دے سکیں۔ پاکیزہ چیزوں میں سے جو کچھ اللہ نے ان کے لئے حلال کیا ہے اس سے تمتع کریں (فائدہ اٹھائیں) کیونکہ اسلام میں رہبانیت بالکل نہیں ہے۔

یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب میں داخل تھی کہ جب آپ کسی کی ناپسندیدہ بات کو دیکھتے اور اس کے متعلق نصیحت مقصود ہوتی تو خطبہ دیتے وقت اس بات کے کرنے والے کا برملا نام نہ لیتے نا اس کا تعین کرتے بلکہ اُسے اس طرح بیان فرماتے کہ فلاں فلاں قسم کے کام کرنے والوں کا کیا حال ہوگا وغیرہ، گویا ایک عام انداز بیان اختیار فرما کر نہ صرف ان خاص لوگوں کو بلکہ سب کو اس بات سے متنبہ فرما دیا کرتے تھے۔ کیونکہ آپ کا مقصود انھیں اپنے غلط رویے سے آگاہ کر کے اس سے باز رکھنا ہوتا تھا اور وہ اس طرح حاصل ہو جاتا تھا۔ براہ راست انھیں جھڑکنے کی ضرورت نہ پڑتی تھی۔ اس عمل سے آپ کے مکارم اخلاق

محاسن آداب اور حسن معاشرت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کرکے فرمایا ہے وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (بیشک آپ بڑے برگزیدہ اخلاق پر ہیں) اور خود آپ نے اپنی نسبت کہا ہے اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ (میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور میری بہترین تادیب فرمائی)

رہبانیت خلاف اسلام

اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اسلام کی حنیفیت رہبانیت کی طرف نہیں بلاتی نہ اللہ نے جن چیزوں کو حلال کیا ہے اس سے محرومی اختیار کرنے کی دعوت دیتی ہے، افطار اس لئے ہے کہ مومن میں روزوں کی قوت رہے اور نیند اس لئے کہ عبادت میں کھڑے ہونے کی طاقت آئے، اسی طرح ازدواج کا مقصود نفس کی خواہش کو توڑنا، پاک دامن ہونا اور نسل بڑھانا ہے۔

اور جو شخص ان باتوں سے انحراف کرے اور یہ انحراف تاویل وغیرہ کی قسم کا ہو تو اُسے ملت سے خارج یا کافر کہا جائے گا۔ فلیس منی کے معنی یہ ہوں گے کہ ایسے شخص کا طریقہ میرے طریقے میں سے نہ ہوگا۔ اور اگر یہ روگردانی یا غلو اس وجہ سے ہو کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے اسی کو درست

اور قابل ترجیح خیال کرتا ہے تو اس صورت میں فلیس منی کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ شخص میری ملت پر نہ ہوگا کیونکہ ایسا عقیدہ رکھنا کفر ہے۔ لیکن اگر اس بارہ میں کسی شبہ کی وجہ سے تقوی کے طور پر انحراف کیا ہو تو وہ نہ ممنوع ہوگا نہ مکروہ۔

اس حدیث سے سابقہ باتوں کے علاوہ حسب ذیل مسائل معلوم ہوتے ہیں۔

۱۔ نکاح کی فضیلت و ترغیب

۲۔ راحت سے اور شریعت کی حلال کی ہوئی چیزوں سے بے تعلقی میں غلو نہ کرنا۔

۳۔ اس حدیث میں ایسے شخص کی تردید ہے جو پاکیزہ کھانوں اور نرم لباسوں میں سے حلال اشیا، اور مباح چیزوں کے استعمال سے منع کرتا ہے، اور ان پر خراب کھانے اور موٹے کپڑے کو ترجیح دیتا ہے۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ (کہہ دو کس نے اللہ کی پیدا ہوئی زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں اور پاکیزہ رزق کو حرام کیا ہے) لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا "(ان پاک چیزوں کو حرام نہ کرو جو اللہ نے تمھارے لئے حلال کی ہیں اور زیادتی نہ کرو۔

خود نمائی اور خود بینی

ایک نامحمود اور قابل تعزیر فعل!

عن عبد الله بن عمر رضی الله عنهما قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من جَرَّ ثوبَهُ خیلَةً لم ینظُرِ الله الیه یوم القیامة۔ رواه البخاری۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اپنے لباس کو اترانے کے طور پر لٹکاتا ہوا چلے گا، قیامت کے دن اللہ اس کی طرف نظر نہ فرمائے گا۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔

لغت

جَرَّ: کھینچا، لٹکایا۔

مخیلہ: عجب، خودپسندی، تکبر۔
لم ینظر اللہ الیہ۔ اللہ اُسے رحمت کی نظر سے نہ دیکھے گا، اس پر رحم نہ فرمائے گا۔ یہاں حقیقی نظر مقصود نہیں ہے جس میں مخلوق سے مماثلت پائی جائے اور اللہ کے لئے اس کا ثبوت محال ہے۔

تشریح

اللہ تعالےٰ نے ہمارے لئے کھانے پینے اور پہننے کی بہت سی پاکیزہ چیزیں حلال فرمائی ہیں تاکہ ہم ایسی صورتوں میں ان سے استفادہ کریں جن میں گناہ یا سرکشی نہ پائی جاتی ہو۔ خودپسندی اور تکبر بدترین گناہوں میں سے ہے کیونکہ تکبر سے فضائل چھن جاتے ہیں اور رذائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس کی وجہ سے مومن شخص اور تواضع کی صفت کے درمیان دوری واقع ہوتی ہے جو متقیوں کے اخلاق کی سرتاج ہے۔ تکبر کینہ، تعصب اور لوگوں کی طرف سے حقارت اور غیبت کی خرابیاں پیدا کرتا ہے۔ اس کی بدولت آدمی سچائی، غصہ کا ضبط، نصیحت کی قبولیت، عیب یا خرابی سے واقفیت، علم سے استفادہ، حق کی اطاعت وغیرہ صفات سے کوسوں دور ہو جاتا ہے۔ یہ خرابی ان صفات کو حقیر سمجھنے سے پیدا ہوتی ہیں اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا ہے "تکبر حق سے جھگڑنا اور مخلوق کو حقیر جاننا ہے"۔

تکبّر کے اسباب

تکبر کے اسباب بہت ہو سکتے ہیں ان میں سے ایک سبب علم ہے۔ یہ خرابی علما میں بہت جلد پیدا ہو جاتی ہے۔ جہاں ان میں سے کسی نے اپنے اندر کسی قسم کا علمی کمال محسوس کیا وہ اپنے آپ کو بڑا اور لوگوں کو حقیر اور جاہل سمجھنے لگتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس قسم کے لوگ حقیقی علم نہیں رکھتے۔ حقیقی علم ہو تو آدمی اپنے رب کو اور اپنے آپ کو پہچانتا ہے اور اس کی عظمت کو محسوس کرتا ہے۔ اور یہ بات اس میں خوف الہٰی اور تواضع پیدا کرتی ہے اور ایسے بندوں کا خود خدا لحاظ کرتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ یا پھر اس قسم کا شخص بد فطرت اور ناپاک خیالات کا حامل ہوتا ہے اس سے علم سے بھی اس میں خباثت اور برائی کے سوا کوئی خوبی پیدا نہیں ہوتی۔

ان ہی اسباب میں حسب و نسب بھی ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو دوسروں کے مقابلے میں عالی نسب پاتا ہے وہ ان سے تکبر کرتا ہے اور بسا اوقات ان سے ملنے جلنے اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے میں

ننگ محسوس کرتا ہے۔ وہ اپنی زبان سے اپنے نسب پر فخر کیا کرتا ہے

حدیث میں آتا ہے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا "میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص سے گفتگو کی اور اس سے کہا اے ابن السودا (حبشن کے بیٹے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور فرمایا "گوری عورت کے بیٹے کو کالی عورت کے بیٹے پر فضیلت نہیں ہے:

مال، قوت، نوکر چاکر اور خاندان بھی تکبر کا باعث ہوتے ہیں اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خودپسندی اور تکبر کے اسباب میں ایک سبب بیان فرمایا ہے جو غرور سے کپڑے کو لٹکانا اور لمبا کرنا ہے خواہ مرد کی طرف سے ہو یا عورت کی جانب سے۔ یہ حرکت کپڑے کو چین کر یا اس میں شکنیں ڈال کر کی جائے تب بھی بری ہے کیونکہ دنیا میں تو اس سے اس لئے نقصان پہنچتا ہے کہ ایسا شخص لوگوں کی نظر میں برا سمجھا جاتا ہے دوسرے اس میں بیجا طور پر دولت ضائع ہوتی ہے اور آخرت میں اس لئے کہ یہ گناہ ہے۔ لیکن جو شخص اللہ کی نعمت کے اظہار کے لئے اور اس کا شکر ادا کرنے کی غرض سے ایسا کرتا ہو اور دوسروں کو حقیر نہ سمجھتا ہو اسے مباح قسم کا کپڑا پہننے سے کوئی نقصان نہ ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

كُلُوا وَاشْرَبُوا والبسوا وتَصَدَّقوا في غير اسراف وَلَا مَخِيلَةٍ

(کھاؤ پیو، پہنو اور صدقہ کرو بغیر اسراف اور غرور کے) حضرت ابن عباس کا قول ہے "جو چاہو کھاؤ اور پہنو۔ جو چیزیں تمھارے لئے غلط ہیں وہ اسراف اور غرور ہیں"۔

بے شبہ آستینوں اور پائنچوں کو طویل کرنا اور مقررہ وضع سے زیادہ بڑھانا بھی کپڑا لٹکانے کے حکم میں ہے۔ بعض علماء نے ٹخنوں سے نیچے اترے ہوئے پائنچوں کو مذموم کہا ہے۔ البتہ اگر کسی عیب یا بیماری کی وجہ سے ایسا کیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ بعض لوگ ان کے مکروہ ہونے کے قائل ہیں کیونکہ روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کی تہمد لٹکی ہوئی تھی (چلنے میں زمین سے لگتی تھی) آپ نے اس سے فرمایا اپنی تہمد اونچی کرو۔ اس نے کہا "مجھ میں اندر کی طرف لنگڑاپن موجود ہے، میرے گھٹنے چلنے میں رگڑ کھاتے ہیں" آپ نے فرمایا، تہمد اونچی کرو اللہ نے سب کو اچھا ہی پیدا کیا ہے، اور اس لئے بھی کہ اس قسم کا پہناوا غرور کو دعوت دیتا ہے اور کپڑے میں نجاستیں لگتی ہیں۔

لہذا ہر مسلمان کو جاننا چاہیے تواضع سے تمھاری رفعت وسربلندی میں اضافہ ہوگا اور آداب دین پر عمل کرنے سے اللہ کے ساتھ تقرب اور محبت بڑھے گی، لہذا سوچنا چاہیے ہمارا آغاز کیا تھا پانی کا ایک قطرہ

اور انتہا ایک ناپاک مردار لاش۔ اگر حقیقت نظر میں ہے تو عزت ناحق باتوں میں نہ پکڑے اور کوئی اپنے آپ کو دوسرے مومن بھائیوں سے بڑا نہ سمجھے۔ جب تم اپنے اوپر خدا کے فضل ونعمت کو یاد کرو تو یہ بھی یاد کرو کہ اس کی ایک انتہا بھی ہے اس لئے تکبر کرنے اور اترانے سے بچو کیونکہ یہ چیزیں برکت کو زائل کر دیتی ہیں اور نعمت کو تباہ کر دیتی ہیں۔ غرور نیکیوں کو اسی طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

پیام پر پیام

ایک حکمت آمیز مصلحت!

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اَنْ یَبیعَ الرَّجُلُ علی بیعِ اَخیہ وَاَن یخطُبَ الرَّجُلُ علی خطبۃ اخیہ حتیٰ یترُکَ الخاطب قبلہ اَو یاذَنَ لہ الخاطب۔ رواہ البخاری۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی شخص اپنے بھائی کے سودے پر سودا کرے یا اپنے بھائی کے پیام شادی کی جگہ پیام دے یہاں تک کہ پیام دینے والا پہلے اسے ترک کردے یا اُسے پیام دینے کی اجازت دے۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔

لغت

خِطْبَۃ : شادی کا پیام دینا۔ منگنی!

تشریح

یہ حدیث دو باتوں کی ممانعت پر مشتمل ہے۔ کسی شخص کی بیع یا سودے پر سودا کرنا اور کسی جگہ کسی شخص نے شادی کا پیام دے رکھا ہو وہاں اس کے اس پیام کو ترک کرنے سے پہلے یا اس کی اجازت کے بغیر اپنا پیام دینا۔

تفصیلِ اوّل

پہلی بات کی تفصیل یہ ہے کہ ایک شخص کسی کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرتا ہے ابھی خریدار کو اختیار باقی ہے کہ اتنے میں تیسرا شخص آتا ہے اور مدت اختیار کے اندر اس خریدار سے کہتا ہے کہ تم اس بیع کو فسخ کردو' میں تم سے یہ سودا اس سے کم قیمت پر کرتا ہوں۔ اس قسم کی خرید و فروخت منع کی گئی ہے کیونکہ اس طرح پہلے بائع (بیچنے والے) اور دوسرے بائع کے درمیان بغض و عداوت پیدا ہوتی ہے اور بعض

اوقات اس سے ایسی مضرت پیدا ہوتی ہے جو کسی حد پر نہیں ٹھہرتی جیسا کہ مشاہدہ میں آیا ہے اور سب کو معلوم ہے اس لئے دنیا کی تھوڑی سی پونجی کے لئے مسلمان کو زیب نہیں دیتا کہ دوسرے مسلمان بھائی کے لئے شرد آلام کا سبب بنے اور اپنے حق میں بھی خدا و رسول کے غضب کو برانگیخۃ کرے یا قلوب میں عداوت اور کینے کے بیج بوئے۔

لہٰذا اس قاعدہ کی بنا پر کہ "کسی چیز سے روکنا اس کے فساد کا مقتضی ہے" کسی شخص کا اپنے بھائی کے سودے پر سودا کرنا فاسد ہے۔ یہی مالکیوں اور حنبلیوں کا قول ہے۔ لیکن جمہور فقہا کا قول یہ ہے کہ یہ بیع تو صحیح ہے مگر گناہ کے ساتھ۔ کیونکہ یہاں جس چیز سے روکا گیا ہے وہ براست اس شے کے لئے نہیں ہے جس سے منع کیا گیا ہے بلکہ ایک خارجی امر سے منع کیا گیا ہے۔

مسئلہ ثانی

دوسری بات یہ ہے کہ کوئی شخص کسی عورت سے یا اس کے ولی سے شادی کا طالب ہے اور وہ عورت یا اس کا ولی اس پیام کو قبول کر لیتے ہیں یا اس پر رضامند ہو جاتے ہیں اسی اثنا میں ایک اور شخص پہلے پیام یا منگنی کا علم ہونے کے باوجود اسی جگہ اپنا پیام دے بیٹھتا ہے۔

اس صورت میں اگر منگیتر یا اس کے ولی نے پہلے پیام کو منظور کر لیا تھا تو یہ دوسرا پیام بالاتفاق حرام ہے لیکن اگر ان میں سے کسی ایک نے انکار کر دیا ہو تو دوسرا پیام حرام نہ ہوگا۔

کیا یہ حرمت دوسرے پیام دینے والے کی شادی کو فاسد کر دیتی ہے ؟ ظاہریہ کا قول ہے کہ اس کا نکاح فسخ ہو جائے گا۔ جمہور کا قول ہے کہ یہ نکاح فسخ نہ ہوگا کیونکہ مخالفت پیام دینے کی ہے اور یہ نکاح کی صحت کے لئے شرط نہیں ہے اس لئے پیام کے غیر صحیح ہونے سے نکاح فسخ نہ ہوگا۔

یہ حکم عام ہے۔ پہلے پیام پر پیام دینے کو ناجائز قرار دیتا ہے یہ پیام دینے والا فاسق ہو یا کافر' یہ عام علما کی رائے ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ فاسق اور کافر کے پیام پر پیام دینا حرام نہ ہوگا کیونکہ حدیث میں عَلٰی خِطْبَۃِ اخیہ (اپنے بھائی مسلمان) کے پیام پر) کے الفاظ آئے ہیں اور مسلمان اور کافر کے درمیان کوئی اُخوت نہیں ہوئی حدیث "المومن اخوالمومن" (مومن ایک دوسرے مومن کا بھائی ہے) سے بھی یہی ظاہر ہے۔ لہٰذا اس حکم سے فاسق خارج ہو جاتا ہے۔

حدیث میں (حتیٰ یاذن لہ الخاطب) (یہاں تک کہ پیام

دینے والا اسے اجازت دے) کے الفاظ اجازت ہونے کے بعد
دوسرا پیام جائز ہونے پر دلالت کرتے ہیں اور اپنے مفہوم کے ساتھ
دوسرے شخص کے لئے جواز پیام کی دلیل ہیں کیونکہ پہلے پیام دینے
والے کا اجازت دینا اس کے رجوع ہونے یا اس پیام سے دست
کش ہونے کا ثبوت ہے لہذا جو شخص بھی اس سے نکاح کرنا چاہے
اس کے پیام کو جائز قرار دیتا ہے۔

مسئلۂ عقد و نکاح

عن ابی هُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وَسَلَّمَ تُنْکَحُ المرأۃُ لاربعٍ : لِمالہا وَلِحَسَبِہا وجَمالہا وَلِدِیْنِہا فاظْفَرْ بذاتِ الدین رواہ الجماعَۃُ الا الترمذی -

---

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" عورت سے نکاح چار وجوہ سے کیا جاتا ہے، اس کے مال، حسب، جمال اور دین کی وجہ سے اس لئے دین والی کو اختیار کرو۔

لغت

حَسَبُ : باپ دادا اور اعزہ و اقارب کی نسبت سے جو شرف حاصل ہو اُسے حسب کہتے ہیں۔ یہ لفظ حساب سے نکلا ہے۔ عربوں کا دستور تھا کہ جب باہم فخر کرتے تھے تو اپنی خوبیاں اور باپ دادا کے کارنامے گنوایا کرتے تھے۔ حساب لگانے سے جس کی خوبیاں اور کارنامے تعداد میں زیادہ ہوتے وہ دوسروں پر حکومت کرتا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حسب سے یہاں اچھے افعال مراد ہیں۔

تشریح

شادی بیاہ ہدایت کے طریقوں میں سے ایک پسندیدہ طریقہ ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طرح طرح کی ترغیبوں سے لوگوں کو آمادہ فرمایا ہے۔ بیوی کے اختیار کرنے میں اور انھیں ایک دوسرے پر ترجیح دینے میں لوگوں کے درمیان پسند وغیرہ کا بڑا اختلاف پایا جاتا ہے بعض لوگ بہت زیادہ دولت مند عورت کو پسند کرتے ہیں تاکہ ضروریاتِ زندگی، ازدواجی حالات اور اولاد کے لوازم تربیت وغیرہ صعوبتوں میں انھیں مدد دے یا شوہر کے بعض خاص مالی مقاصد پوری کر سکے اور وہ اس سے مالی فائدہ اُٹھا سکے، بعض لوگ عالی حسب عورت کو چاہتے ہیں اور بڑے گھرانے کو پسند کرتے ہیں تاکہ ضرورت کے

کے وقت ان سے ہر قسم کی تقویت پہنچے۔ بعضوں کو حسن و جمال بہت مرغوب ہوتا ہے وہ حسین عورت کے آرزومند رہتے ہیں تاکہ اُسے دیکھ کر نظر کو تازگی اور قلب کو سکون حاصل ہو۔ بعض کا خیال یہ ہوتا ہے کہ دین دار اور پاک دامن عورت ملے تاکہ اس کی بدولت خاندان کے شرف و عزت میں بٹہ نہ لگے اور عورت گناہوں اور اخلاقی خرابیوں میں مبتلا نہ ہونے پائے۔ شوہر خواہ غائب ہو یا موجود وہ ہر حال میں اس کی مرضی اور پسندیدگی کا خیال رکھے۔

معیار اور مطمح نظر!

غرض اس معاملے میں ہر ایک کا ایک خاص مطمح نظر ہوتا ہے اور وہ جس قسم کی عورت کو اپنے معیار کے مطابق پسند کے لائق پاتا ہے ہمیشہ اس کی تلاش میں سرگرم رہتا ہے اس کے خلاف دوسرے قسم کی عورت کو ترجیح نہیں دیتا اور جب تک مطلوبہ معیار والی نہ ملے کسی اور پر قانع نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس کا مقصد حاصل ہو جائے۔ مگر رسول اللہ صلعم نے ان سب میں جس قسم کی عورت کو تلاش اور جستجو کے لائق قرار دیا ہے اور جس میں آدمی کی شریک زندگی بننے کی بہتر صلاحیت محسوس فرمائی ہے وہ دین دار و باایمان عورت ہے۔ جب ایسی نیک بخت

میسر آجائے تو اس سے منہ پھیرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ اس میں ایک بھلے آدمی کی ہم خواب اور بچوں کی ماں بننے کی اچھی قابلیت ہوتی ہے اور وہ اس کے مال راز اور عزت و شرف کی امین ہوتی ہے اس طرح اس کا دین اس شخص کو مطمئن بنا دیتا ہے۔ وہ ایسی عورت کو اعتماد کے ساتھ اپنے دل کی بات سے آگاہ کر سکتا ہے اور اپنے مال اور مکان کی حفاظت اس کے سپرد کر کے چین سے رہ سکتا ہے۔ دیندار عورت ان خوبیوں کے علاوہ اولاد کی تربیت بھی نیکی اور پرہیزگاری کے قاعدوں پر کرتی ہے اس لئے جس کو شخص کو ایسی عورت ملے وہ بڑا خوش نصیب ہے۔

مال دار عورت

اب مال دار عورت کو لیجئے جو نہ دین کو مضبوطی سے پکڑتی ہو نہ پرہیزگاری اور تقوی کی صفت سے متصف ہو۔ ایسی عورت کی پاکیزگی اور صفائی میں پائداری بہت کم ہوتی ہے اور اس کو بہت کم قابو میں رکھا جاسکتا ہے۔ ایسی مالدار عورتیں مشکل ہی سے ملتی ہیں جو شوہر کے حقوق کا خیال رکھتی ہوں اور مطیع و نیکوکار ہوں۔ وہ ہمیشہ شوہر کے مقابلے میں اپنے مال اور دولت مندی کی بدولت فخر و غرور میں مبتلا رہتی ہیں اور یہ سمجھتی ہیں کہ وہ جو بات کہیں گی ان کی دولت کے زور سے مان لی

جائے گی۔ پھر اگر شوہر ان کے مقابلے میں کم مالدار ہو یا کہیں مفلس ہو تو اس مصیبت کی کوئی حد نہیں رہتی۔ پھر تو شوہر ایسی عورت کا بندہ بے دام بن کر رہتا ہے اور ہر بات میں اس کی اطاعت کرنا پڑتی ہے۔ یہ وہ واقعات ہیں جو آئے دن ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتے رہتے ہیں اس قسم کی بے جوڑ شادی ازدواجی زندگی کو تباہ کر دیتی ہے اس سے خانگی امن و سکون رخصت ہو جاتا ہے پھر اولاد جو ہوتی ہے اس کی تربیت بھی بہت برے انداز پر ہوتی ہے ان لوگوں کے اخلاق اور صفات بہت ادنیٰ قسم کے رہ جاتے ہیں غرض پورا گھر شامت اور ناگوار حالات کا مرکز بن جاتا ہے جس کو دن رات لڑائی جھگڑے اور صدمات و آلام ہر طرف سے گھیرے رہتے ہیں۔

عالی خاندان بیوی

اس کے بعد عالی حسب عورت کا حال قابل غور ہے۔ یہ حسب و نسب میں شوہر پر فخر کرتی رہتی ہے اور اگر شوہر کے گھر والے تعداد میں کم ہوں تو اور زیادہ اتراتی ہے۔ اس کی اس حرکت کی وجہ سے شوہر کو ازدواجی سعادت اور منزلی مسرت میسر نہیں آتی۔ وہ اس کے مقابلے میں اپنے آپ کو کم تر سمجھتا رہتا ہے۔

رہی حسن و جمال والی عورت تو اس کے ساتھ شکوک و شبہات کا احتمال لگا رہتا ہے اور مرد کو اس کے بے پناہ حسن کی طرف سے طرح طرح کے اندیشے رہتے ہیں۔ ایک شخص نے کسی مردِ دانا سے شادی کے متعلق مشورہ کیا تو اس نے کہا "کر لو مگر خبردار رہنے والے حسن کے پاس نہ جانا"

اس موقع کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے (عورتوں سے ان کے حسن کی وجہ سے شادی نہ کرو، ہو سکتا ہے ان کا حسن انھیں تباہ کر دے" اور ان سے ان کے اموال کی وجہ سے شادی نہ کرو ممکن ہے ان کا مال و دولت انھیں سرکش بنا دے لیکن ان سے دین کی بنا پر بیاہ کرو، اور بے شبہ ایک حبشن لونڈی جو دین دار ہو ہر طرح افضل اور برتر ہے)

لیکن اس تمام بحث کا مقصود یہ نہیں ہے کہ آدمی مال دار، حسب و نسب والی اور حسین عورت سے شادی ہی نہ کرے اور جب شادی کرے تو مفلس و قلاش، ادنیٰ حسب والی اور بدصورت عورت کو ڈھونڈھ کر کرے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان شریک زندگی کی تلاش میں اپنا نصب العین، مال، حسب اور جمال ہی کو نہ بنائے اور یہ خیال

رکھے کہ عورت کے لئے اور صفات بھی ضروری ہو سکتی ہیں اُسے چاہیئے کہ دین داری اور پرہیز گاری کی صفات سے انتخاب کا آغاز کرے اگر کسی میں اس صفت کے ساتھ دوسری مرغوب صفات بھی ہوں تو سبحان اللہ۔ اس کے بہتر و برتر ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

اگر کوئی شخص عورت میں دین اور صلاحیت کے ساتھ ختم ہونے والا مال، ناقابل اعتماد والا حسب اور زوال پذیر جمال بھی تلاش کرے تو کوئی نقصان نہ ہوگا ان صفات اور دین میں فرق صرف اتنا ہوگا کہ دینداری میں مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ پختگی اور جدت بڑھتی رہتی ہے اور ہمیشہ خیر و برکت اور سعادت اس کے ساتھ رہتی ہیں دوسری صفات کو یہ بات میسر نہیں ہوتی۔

شادی کی ترغیب

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا معشر الشباب مَن استطاع منکمُ الباءۃ فلیتزوج فانہ اَغضّ لِلبصَرِ وَاَحصَنُ لِلفرَجِ، ومَن لَم یستطِعْ فعلیہ بالصّوم فَاِنّہ لَہُ وِجاءٌ - رواہ الجماعۃ

ابن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے گروہ جواناں! تم میں سے جو نکاح کی قدرت رکھتا ہو اُسے چاہیے کہ شادی کرے کیونکہ بے شبہ شادی نامحرم کی طرف نظر کرنے سے بچانے والی اور بے حیائی میں پڑنے سے بہت روکنے والی ہے اور جو شادی کی استطاعت نہ رکھتا ہو اُسے روزے رکھنا ضروری ہیں کیونکہ بیشک روزے اس کیلئے ایک حربہ ہیں۔ اسے ایک جماعت نے روایت کیا۔

لغت

معشر: جماعت، گروہ۔
شباب: شاب کی جمع، جوان۔ وہ شخص جو بالغ ہو اور تیس سے یا بقول بعض چالیس سال سے متجاوز نہ ہو شاب کہلاتا ہے۔
باءۃ: جماع۔ ایک قول کے مطابق حدیث میں اس کے معنی نکاح کی استطاعت ہیں۔ یہ دونوں معنی درست ہیں دوسرے معنی پر یہ روایت بھی شاہد ہے مَنْ اسْتَطَاعَ مِنكُمْ اَن يَّتَزَوَّجَ فَلْيَتَزَوَّج (جو تم میں سے شادی کی استطاعت رکھتا ہو وہ شادی کرے) ایک روایت میں ہے من کان ذا طول فلینکح (تم میں جو قدرت رکھتا ہو نکاح کرلے)
اَغَضُّ لِلْبَصَر۔ نامحرم پر نظر ڈالنے سے بچانے والی۔
اَحْصَنُ للفرج۔ بے حیائی میں پڑنے سے روکنے والی
وجاء۔ مارنا۔ چبھونا مراد حربہ۔ روزوں کے لئے یہ لفظ استعارے کے طور پر استعمال ہوا ہے کیونکہ روزہ شہوت کا زور توڑنے میں بڑا موثر ہے اور اسی لئے حربہ سے مشابہہ ہے۔

تشریح

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے نوجوانوں کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ ان میں سے جو ازدواجی امور نفقہ وغیرہ پر قدرت رکھتا ہو یا عورتوں کا شائق ہو شادی کرے تاکہ معاصی کے گڑھے میں نہ گر جائے اور جوانی دیوانی کی تباہ کاریوں سے محفوظ رہے کیونکہ جوانی میں آغاز دور ہوتا ہے کہ جوان اپنی نفسانی خواہش کی اطاعت پر مجبور ہونے لگتے ہیں اور نفس کا تقاضہ پورا کرنے میں ایسے کاموں کی برائی بھلائی کی پرواہ نہیں کرتے اس طرح خدا جانے کتنی تباہیاں اور کیسے کیسے روگ ان کے پیچھے لگ جاتے ہیں جن کا تدارک آگے چل کر دشوار اور بعض اوقات ناممکن ہو جاتا ہے

جوانی کی لغزش

ایسے کتنے جوان ہوں گے جنھیں جوانی کے تقاضوں نے بہکایا اور سیدھے راستے سے بھٹکا کر گناہوں کے غار میں دھکیل دیا جس کے نتیجے میں وہ خوشحال سے بدحال اور تندرست سے روگی بن گئے۔ اور بسا اوقات کوڑی کوڑی کے محتاج ہو گئے، ان میں سے اکثر قوی اور

تنومند ہوں گے مگر ان ناگفتہ بہ بے اعتدالیوں کی وجہ سے بیمار، کمزور اور مدقوق نظر آنے لگے۔ ان کی جوانی کی ساری آب و تاب اور تمام جوش اور طاقت زائل ہوگئی۔ امراض نے گھیر لیا۔ زندگی اجیرن ہوگئی اور مردوں سے بدتر زندگی گزارنے لگے۔ اب نہ ان میں وہ صحت کے زمانے کی سی جانفزا مسکراہٹ رہی نہ وہ پہلی سی توانائی اور حوصلے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قدرت و استطاعت ہونے پر شادی میں عجلت کرنے کی حکمت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ محرمات یعنی حرام کاریوں میں مبتلا ہونے سے بچاتی اور خدا کے قہر و غضب سے اور شرف و عزت میں بٹہ لگانے والے امور سے محفوظ رکھتی ہے۔ اس کی بدولت انسان میں پاکدامنی و پرہیزگاری پیدا ہوتی ہے اور وہ نامحرم عورتوں پر للچائی ہوئی نظریں ڈالنے سے بچا رہتا ہے۔ مزید برآں جب شادی میں جلدی کی جائے تو آدمی اولاد ہونے پر ان کی تربیت و تعلیم اور ان کی آئندہ زندگی کے انتظام و استعداد کی طرف اچھی طرح متوجہ ہو سکتا ہے، انھیں لائق و صالح بنا سکتا ہے جو نہ صرف اپنے آپ کو نفع پہنچا سکتے ہوں بلکہ اپنی قوم کے لئے بھی مفید ہوں اور قوم کی شان و شوکت اور قوت و استحکام میں قابل قدر اضافہ کریں۔

تربیت صحیحہ!

اچھی تربیت ایسے صالح افراد پیدا کرسکتی ہے جو قوم کو غلام اور ذلیل بنانے والوں کا منہ توڑ جواب دے سکیں اور جو ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے اسے اس جسارت کا مزہ چکھا سکیں۔ لیکن اگر شادی کرنے میں دیر کی گئی اور عمر زیادہ ہو جانے کے بعد شادی کی تو اولاد کی تربیت کا حق نہ ادا ہو سکے گا کیونکہ وسائل معاش اور ذرائع آمدنی مہیا کرنے کا امکان کم ہو جائے گا جس سے تعلیم و تربیت کا مناسب انتظام نہیں ہو سکے گا یا موت آجائے گی تو اولاد کو بے یار و مددگار اور کمزور و بے مونس و غمخوار چھوڑنا پڑے گا جو نہ دشمنوں کے توڑ پر قادر ہوگی نہ زمانے کی گردش اور مصائب کا مقابلہ کرنے کی اس میں سکت ہوگی۔

مزید قباحت!

دیر میں شادی کرنے سے مزید قباحت یہ ہے کہ کنواری لڑکیوں کی کثرت ہو جاتی ہے، ان کی تازگی اور شباب کی سرسبزی رخصت ہو جاتی ہے۔ ان میں مردوں کی طرح نفس کی خواہشوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہوتی وہ برے راستوں پر چلنے پر مجبور ہو جاتی ہیں

اور ضمیر کے خلاف سرکشی کرنے لگتی ہیں۔ یہ وہ نازک موقع ہوتا ہے جب انساب میں خلط ملط اور عزت و ناموس میں حرف آنے کا سخت اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ شرم و حیا کا لباس چاک ہونے لگتا ہے اور وشرف و کرامت کو زائل کرنے والی نازیبا خواہشوں کی لونڈی بن کر ساری مروت اور فخر و وقار کا خاتمہ کر دیتی ہیں۔

جس شخص کو شادی کرنے کی قدرت یا استطاعت نہ ہو اس کا علاج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ بیان فرمایا ہے کیونکہ وہ خواہش نفس کو توڑتا ہے اور بدن میں ضعف پیدا کر کے جنسی رغبت کو کم کر دیتا ہے۔ اس کی بدولت حرارت و قوت پیدا کرنے والا خون گھٹ جاتا ہے۔

عورت کی اجازت

شادی کا بنیادی اصول!ـــــ

عن ابی هریرة رضی اللہ عنہُ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم لا تُنکحُ الایّمُ حتّٰی تُستامرَ ولا البکرُ حتّٰی تُستاذنَ قالوا یا رسول اللہ وکیفَ اذنہا؟ قالَ ان تسکُتَ۔ رواہُ الجماعة۔

ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیوہ کا اس وقت تک نکاح نہ کیا جائے جب تک رائے نہ لے لی جائے اور نہ بالغہ لڑکی کو بیاہا جائے جب تک اجازت نہ لے لی جائے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ اور اس کی طرف سے اجازت کیسے معلوم ہوگی' فرمایا اس طرح کہ وہ خاموش رہے۔ اسے ایک جماعت نے روایت کیا۔

لغت

اَیِّم : ہر وہ مرد جس کے ساتھ عورت نہ ہو یا ہر وہ عورت جس کے ساتھ مرد نہ ہو، خواہ کنواری ہو یا بیاہی ہوئی۔ اصل میں ایّم ایسی عورت کو کہتے ہیں جس کی شادی تو ہوئی ہو مگر شوہر جاتا رہا ہو۔ بعد میں دوشیزہ یا کنواری کو بھی شوہر نہ ہونے کی وجہ سے ایّم کہا جانے لگا، یہاں ایم سے مراد ثیّب ہے (شادی شدہ مرد یا عورت جو بیوہ یا مطلقہ ہو) کیونکہ اس کے مقابلے میں بکر کا لفظ اسی حدیث میں استعمال ہوا ہے۔

تُستَامَر - اس کا ولی اس کا بیاہ کرنے سے پہلے اس سے مشورہ کرے

بِکرُ : وہ لڑکی جو کنواری یا دوشیزہ ہو، جس کا کنوارپن دور نہ ہوا ہو، یہاں اس سے مراد بالغہ ہے۔

تستاذن : شادی کے لئے اس کی اجازت طلب کی جائے۔

تشریح

لڑکیوں یا عورتوں کے بعض ولیوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ اپنی سرپرستی میں رہنے والی عورتوں کو خواہ وہ باکرہ ہوں یا ثیبہ، چھوٹی ہوں یا بڑی جس سے چاہیں بیاہ کردیں وہ اس معاملے میں صرف اپنی رائے

کو ترجیح دیتے ہیں، لڑکیوں کی رائے لیتے ہیں نہ ان کے منشا و مقصد کو کسی گنتی شمار میں لاتے ہیں۔ اس طریقے سے وہ ایسے لوگوں کو ان کا مالک بنا دیتے ہیں جن کی طرف انھیں بالکل رغبت نہیں ہوتی اور جن کے ساتھ رہنے سہنے پر وہ رضامند نہیں ہوتیں۔ اس خلاف مرضی شادی کا نتیجہ میاں بیوی کے درمیان دن رات کے جھگڑوں کی صورت میں نمایاں ہوتا ہے آپس میں عداوت، کینہ، اور محبت کی جگہ کراہیت اور نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ لڑکیوں کے اولیا کو اسی قسم کی شادی پر اکثر ان کے شوہروں کا مال یا مرتبہ اکسایا کرتا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ دولت مند یا صاحب منصب مردوں سے اپنی لڑکیاں بیاہ کر خود اپنی اغراض ان سے پوری کریں۔ اسی لئے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک امین ناصح کی حیثیت سے ہدایت فرمائی ہے۔ کہ اگر ولی اپنی زیر ولایت لڑکی کا عقد اس کی رضامندی حاصل کئے بغیر کر دے تو یہ بات درست نہ ہوگی کیونکہ وہ زمانۂ مستقبل میں شوہر کی شریک زندگی بنے گی، اس پر ماں بننے کی اور گھر کی منتظمہ ہونے کی ذمہ داری عائد ہوگی اس لئے شوہر کے پسند کرنے میں اس کی رائے بھی شریک ہونا چاہیے۔

واضح اجازت

اگر ایسی لڑکی یا عورت ایک بار بیاہی جا چکی ہو اور اب بیوہ ہو یا اس کا شوہر مفقود ہو یا طلاق دے چکا ہو تو اس کا نکاح کرتے وقت اس سے واضح طور پر اجازت لینا ضروری ہے، ایسے وقت اس کا خاموش رہنا کافی نہیں۔ اگر کنواری ہو تو صریح اجازت کے مقابلے میں سکوت کافی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ثیبہ سے مشورہ لینے کی اور کنواری سے اجازت طلبی کی ہدایت ہے۔ پہلی صورت مشورہ کی تاکید پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ ایک بار بیاہی ہوئی لڑکی کی شرم شوہر کے ساتھ رہتے رہتے کم ہو جاتی ہے اور وہ صاف طور پر رضامندی وغیرہ کے اظہار میں حیا نہیں کرتی۔ اس کے برخلاف باکرہ یا کنواری پر حیا غالب ہوتی ہے، وہ صاف الفاظ میں اقرار نہیں کرتی لہٰذا قبول نکاح پر دلالت کرنے کے لئے اس کا خاموش رہنا کافی ہو جاتا ہے۔ اور اگر ان میں سے کوئی شادی سے انکار کر دے تو ولی کے لئے اس کا عقد کرنا درست نہ ہوگا۔ اس حدیث میں شارع علیہ السلام نے جس بِکر سے اجازت طلبی کا حکم دیا ہے اس سے مراد بالغہ لڑکی ہے کیونکہ نابالغ اور کم سن لڑکی سے اجازت لینے کے کوئی معنی نہیں ہو سکتے جو یہ بھی نہیں سمجھتی

کہ اس موقع پر اجازت لینے کا کیا مطلب ہے۔

فقہا کا مسلک

اس مسئلے میں حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ بالغہ لڑکی کو بیاہنے میں ولی کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ اس کی اجازت حاصل کرے۔ اگر اس نے ایسی لڑکی کی اجازت کے بغیر کسی سے بیاہ دیا تو درست نہ ہوگا خواہ ولی باپ ہو یا دادا یا ان کے علاوہ کوئی اور ہو اور لڑکی خواہ کنواری ہو یا ثیبہ (بیاہی ہوئی) کیونکہ ان کے نزدیک بالغہ کے لئے ولایت درست نہیں ہے اس لئے کہ ولایت کی علت کم سنی ہے۔

امام شافعی، مالک اور احمدؒ کا قول ہے کہ باپ کے لئے جائز ہے کہ وہ کنواری لڑکی کا بیاہ بالغہ ہو تب بھی اس کی اجازت کے بغیر کردے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "الثیّبُ احقّ بنفسها من وَلِیّها والبکر تُستأمرُ واذنها سکوتها" (بیاہی ہوئی ولی سے زیادہ اپنے نفس کا اختیار رکھتی ہے (اسے ولی کے مقابلے میں رضامندی و نارضامندی کا اختیار حاصل ہے) اور کنواری سے مشورہ کیا جائے اور اس کے سکوت کو اس کی اجازت سمجھا جائے۔

اس ہدایت میں بیاہی ہوئی کو بمقابلہ ولی کے زیادہ حق دیا گیا ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ کنواری کا ولی خود کنواری سے زیادہ اس کے بیاہنے کا حق رکھتا ہے۔

حنفیہ نے احمد و ابو داؤد کی اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ ایک کنواری کنیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور آپ سے ذکر کیا کہ اس کے باپ نے اُسے بیاہ دیا ہے مگر وہ اس شوہر سے متنفر ہے، اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے اختیار عطا فرمایا۔ یعنی خواہ نکاح قائم رکھے یا فسخ کر دے۔

۲۔ ولی کو حق نہیں ہے کہ وہ بالغہ کنواری لڑکی کے مال میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرے اور مال کا درجہ جان سے کم ہے اس لئے وہ اس کی جان پر کیسے تصرف کر سکتا ہے اور اُسے ایسے شخص کے حوالے کیسے کر سکتا ہے جس سے لڑکی کو سب سے زیادہ نفرت ہو، یا بالکل رغبت نہ ہو؟۔

۳۔ صحیح اور حسن حدیثوں میں ایسی جتنی روایتیں آئی ہیں جن میں اس کی صراحت ہے کہ کنواری سے اجازت لی جائے اور اس سے بلا اجازت لے ہوئے عقد کرنے کی ممانعت آئی ہے، ان سب سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ اگر ولی کو لڑکی پر جبر کرنے کا حق ہوتا تو اس سے اجازت لینے

سے کوئی فائدہ نہ ہوتا۔

سکوت بہ معنی رضامندی

جس کنواری لڑکی کے سکوت (خاموشی) کو رضامندی سمجھا جاتا ہے اُس کی تعبیر میں اختلاف ہے۔ حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اس سے مراد ایسی لڑکی یا عورت ہے جس سے کسی نے صحبت نہ کی ہو اور مرد کی رسائی پہلی بار اس تک ہوئی ہو خواہ اس کا کنوارپن باقی رہا ہو یا صحبت کے بجائے کسی اور سبب مثلاً بیماری یا کودنے اچھلنے سے جاتا رہا ہو۔ جس لڑکی کی بکارت (دوشیزگی، کنوارپن) حلال صحبت کی وجہ سے زائل ہوئی ہو اُسے ثیب کہا جائے گا، جس کی زنا کی وجہ سے زائل ہوئی ہو اور یہ حرکت اس کے ساتھ دہرائی گئی ہو یا اس پر حد قائم ہوئی ہو تو وہ بھی ثیب ہوگی اور اگر ایک مرتبہ سے زیادہ زنا ہوا ہو اور اس پر حد نہ لگائی گئی ہو تو ابو حنیفہ کے نزدیک اس کے سکوت کو رضامندی قرار دیے جانے کی وجہ سے وہ باکرہ ہی کے حکم میں رہے گی کیونکہ لوگ اُسے باکرہ (کنواری)، کی حیثیت سے جانتے ہیں اور اس کی یہ بات مشہور نہیں ہے اس لئے اس میں کنواریوں کی سی حیا موجود رہے گی — اور ابو یوسف و محمد اور شافعی (رحمہم اللہ) کے قول کے مطابق وہ ثیب ہوگی۔

اس لئے طلب مشورہ کے وقت اس کا سکوت کافی نہ ہوگا بلکہ صاف الفاظ میں کہلانا ضروری ہوگا کیونکہ وہ لغت اور شرع کے اعتبار سے ثیب ہے اور شادی کے تذکرے پر اس کی حیا کا باقی رہنا تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

بڑا مقصد!

اس حدیث میں ایک عظیم الشان مقصد کی تعین اور توضیح فرمائی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ عورت اگر عاقل و بالغ ہو تو اُسے ارادہ اور اختیار والا کامل انسان سمجھا جائے جس پر کسی کو اس کی مرضی اور پسند کے خلاف مجبور کرنے کا حق نہ ہو، اسی لئے اُسے شوہر پسند کرنے کا حق دیا گیا جو اس کا شریک زندگی بننے والا ہے اور ازدواجی معاملات و فرائض میں برابر کا حصّہ دار ہوگا عورت کے عزیزوں اور قریبوں میں سے کسی کے لئے یہاں تک کہ باپ کے لئے بھی روا نہیں رکھا گیا کہ اسے ایسے شخص سے شادی کرنے پر مجبور کرے جسے وہ پسند نہیں کرتی، بلکہ اس کے بیاہ کا مسئلہ اس کے اذن و اجازت پر موقوف رکھا گیا ہے۔ اگر عورت نے دلی کر عقد کرنے کی اجازت دے دی اور ضروری علم ہونے کے بعد اس کے اس فعل سے راضی ہوئی تو رشتۂ ازدواج متین و استوار ہو جائے گا۔

ورنہ کسی کو اس پر زبردستی کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔

اسلام نے عورت کو یہ حق اور سربلندی اس وقت عطا کی جب کہ زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کی حالت نہایت پست اور ناقابلِ اعتبار تھی، اُسے گری پڑی پونجی سے بھی زیادہ حقیر سمجھا جاتا تھا۔ نہ اس کی کوئی رائے تھی نہ کسی چھوٹے بڑے معاملے میں اس کی مرضی اور ارادہ کو کوئی اہمیت دی جاتی تھی۔ اس کے ولی کو حق تھا کہ جس کے ساتھ بھی چاہے اُسے بیاہ دے یا چاہے تو شادی کرنے سے روک دے، کوئی نہ اس کی بات کو ٹال سکتا تھا نہ اس کے کام میں رکاوٹ ڈال سکتا تھا۔ اسلام کے مبارک قدم آئے تو عورت کو اس بندگی اور ذلت کی بیڑیوں سے رہائی ملی اور اُس نے اپنے پیدائشی حق کے مطابق استقلال و آزادی حاصل کی۔

سوگ کی مدّت

احکامات وارشادات رسالت

عن زینب ابنۃ ابی سلمۃ عن امّ حبیبۃ قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یحلّ لامرءۃ تؤمن باللہ والیوم الآخر ان تحدّ علی میّت فوق ثلاث الا علی زوج اربعۃ اشھر وعشرا۔

رواہ البخاری من حدیث طویل۔

زینب بنت ابوسلمہ نے امّ حبیبہ سے روایت کی ہے، انھوں نے کہا، "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا کہ جو عورت اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے، صرف اپنے شوہر پر چار مہینے دس دن سوگ ہے۔ اسے بخاری نے روایت کیا (ایک طویل حدیث سے)

لغت

تحِدّ ۔ فعل مضارع 'احداد سے۔ شوہر یا کسی قریبی عزیز کی موت پر عورت کا زینت یعنی خوشبو لگانے اور اچھے کپڑے پہننے سے باز رہنا

ثلاث لیال: تین شبانہ روز (متن حدیث میں لیال کے الفاظ نہیں ہیں۔)

عشراً: دس شبانہ روز۔

تشریح

کسی عزیز قریب یا شوہر یا دوست کے مرنے پر غم ایک ایسی چیز ہے جس سے منع نہیں کیا گیا بسا اوقات اس قسم کا اظہار غم پسندیدہ بلکہ حق قرابت وصحبت کی رعایت کے لئے واجب ہوتا ہے لیکن جب وہ تین دن سے زیادہ ہو جائے تو مذموم ہو جاتا ہے کیونکہ اس سے قلب میں بیزاری اور نفس میں حزن والم پیدا ہوتا ہے جس کے باعث کام معطل ہو جاتے ہیں اور جو بات اللہ نے حلال کی ہے حرام کے حکم میں آجاتی ہے۔ اکثر ایسا غم خدا کے حکم سے ناراض اور خفا ہونے کی حد تک پہنچا دیتا ہے۔ اسی لئے یہ حدیث ہمیں اسی حد تک غم کرنے کی ہدایت

کرتی ہے جس حد تک عورت کے لئے لڑنے مرنے والے، شوہر وغیرہ پر غم ظاہر کرنا جائز ہے اور واضح کرتی ہے کہ غیر شوہر، جس میں باپ بیٹا، بھائی وغیرہ شامل ہیں تین دن تک اور شوہر پر عدت پوری ہونے تک جو چار مہینہ دس دن مقرر ہے سوگ کرنا چاہیئے۔ اس مدت میں اسے بناؤ سنگھار کرنے، خوشبو لگانے اور فرحت و مسرت کے آثار ظاہر کرنے سے منع کیا گیا۔ اسی طرح عدت ختم ہونے سے پہلے شادی کے مسئلے میں کلام و پیام کی ممانعت ہے۔

شوہر اور عزیز قریب

اس حدیث میں "لَا یَحِلُّ" کے الفاظ اشارہ کرتے ہیں کہ شوہر کے سوا اوروں پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا حرام ہے جس سے خدا اور اس کا رسول ناراض ہوتے ہیں۔ اسی لئے ازواج مطہرات اور صحابہ کی بیویوں میں سے اکثر ایسی تھیں جو اپنے اعزہ واقربا کے مرنے پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل اور آپ کی تعلیمات پر عمل کرنے کے لئے اس مدت کے بعد زیب و زینت کی علامات ظاہر کرنے لگتی تھیں۔

حنفیہ نے لفظ "امرأۃ" سے استدلال کیا ہے کہ کمسن لڑکی پر سوگ

کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ 'عورت' کا اطلاق صرف بالغ لڑکی پر ہوتا ہے اور اگر کمسن لڑکی کا شوہر مرجائے تو اور لوگ اس کے لئے بھی عدت کی طرح وجوب سوگ کے قائل ہیں۔ حدیث میں لفظ 'امرأۃ' (عورت) کی قید اس لئے لگائی ہے کہ اس کا استعمال ایک تعداد کثیر پر ہوتا ہے اور اس کا ولی اسے ایسی باتوں سے روک سکتا ہے جن سے بالغہ عورت روکی جاتی ہے۔ فقہا نے سوگ کے وجوب پر عورت کو عام رکھا ہے یعنی اس کے ساتھ خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، آزاد عورت ہو یا کنیز، کتابیہ ہو یا ام ولد کسی کی تخصیص نہیں کی بشرطیکہ عورت کا شوہر مرا ہو آقا نہیں۔ اسی طرح الفاظ 'تومن باللہ' سے یہ استدلال کیا ہے کہ ذمی عورت پر سوگ نہیں ہے۔ یہی بعض مالکیہ کا قول ہے۔

جمہور کا مسلک

جمہور کا قول ہے کہ یہاں ایمان کی قید کسی خاص مفہوم کے لئے نہیں لگائی گئی ہے بلکہ تنبیہ میں مبالغہ مقصود ہے اور چونکہ سوگ کیا جاتا شوہر کا حق ہے اور وہ حفاظت نسب کے لئے عدت سے وابستہ رکھا گیا ہے۔ اس لئے کافرہ سے بھی اس کا مطالبہ کیا جائے گا 'علیٰ میت' کے جو الفاظ حدیث میں آئے ہیں ان سے یہ استدلال

کیا گیا ہے کہ مفقود الخبر کی بیوی پر کوئی سوگ نہیں ہے کیونکہ اس کی وفات کی تحقیق نہیں ہوئی۔ "اِلَّا عَلٰی زوجٍ" سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ بجز شوہر کے کسی کے لئے تین دن سے زیادہ سوگ نہ کیا جائے خواہ باپ ہو یا کوئی اور اور یہ بھی کہ مطلقہ عورت پر مطلقاً سوگ نہیں ہے۔ یہی شافعیہ اور جمہور کا قول ہے لیکن حنفیہ کا قول یہ ہے کہ جس عورت کو طلاق رجعی دی گئی ہو یا جسے دخول سے پہلے طلاق دی گئی ہو اس پر سوگ نہیں ہے مگر طلاق بائنہ والی متوفی شوہر کے قیاس پر سوگ منائے گی۔

وعظ و نصیحت!

ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مقامے دارد

عن ابن مَسْعُود رضی اللہ عنہ قال: کان النبیّ صلی اللہ علیہ وَسَلَّمَ یتخوّلنا بالمَوعظۃِ فی الایّامِ کَرَاھَۃَ السَّامَۃِ علینا۔

رواہ البخاری۔

ابن مسعود رضی اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے وعظ کے لئے مناسب دن مقرر فرمایا کرتے تھے، آپ کا یہ طریقہ اس لئے تھا کہ ہم ان مواعظ سے بیزار نہ ہو جائیں۔

اسے بخاری نے روایت کیا۔

لغت

یتخول الموعظۃ : وعظ و نصیحت میں تنوع پیدا کرکے ان کے لئے دن مقرر فرماتے اور پے درپے وعظ فرما کر نصائح کو ہمارے لئے بار نہ بناتے۔

سآمۃ . بے زاری۔

تشریح

کار آمد اور فائدہ مند نصیحت کے لحاظ سے سب سے اچھا واعظ جس کی بات میں اثر ہو وہ شخص ہے جو لوگوں کے حالات اور اوقات کا خیال رکھے اور جو وقت و موقع سب سے زیادہ مناسب ہو اس وقت پند و نصیحت کرے اور انھیں اپنے علوم سے فائدہ پہنچائے۔ اسی طرح اثر کے اعتبار سے سب سے اچھا عالم وہ ہے جو لوگوں کے لئے علمی مسائل میں سے ایسی چیزیں چن لے جو دنیا و آخرت میں ان کے لئے مفید ہوں اور ان سب کاموں کو انجام دینے کے لئے اس کی عبارت میں خوبی اور تقریر میں فصاحت کی صفات موجود ہوں وہ سنجیدہ اور پر مغز بات میں لطیف مزاح کو اور حکمت میں ظرافت کو شامل کرکے

ان میں دین کو سمجھنے اور سیکھنے کا شوق پیدا کر سکتا ہو۔ جب وہ ان امور میں کامیاب ہو گا تو اس کے علم اور وعظ سے بڑا فائدہ ہو گا اور اس کی بات اثر انگیز ثابت ہو گی۔

آنحضرت کا دستور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مومنین کے سب سے بڑے سردار تھے آپ کا دستور تھا کہ آپ صحابہ کو نصیحت کرنے اور تعلیم دینے کے لئے مناسب اوقات کا خیال رکھتے تھے۔ ان پر جو حالات اور حادثات پیش آتے ان کے متعلق بلیغ نصحتیں فرماتے اور نہایت مفید سبق دیتے۔ ان کے لئے ہمیشہ اس بات کا لحاظ رکھتے تھے کہ کہیں وہ ان تعلیمات اور نصائح سے بیزار نہ ہونے لگیں اور ایسا نہ ہو کہ آپ کی بات سننے اور قبول کرنے سے منہ پھیر لیں۔ آپ کی حالت ایک طبیب کی سی تھی جو مرض کے مناسب مقدار میں دوا دیتا ہے تاکہ مریض گھبرا کر دوا سے نفرت نہ کرنے لگے اور اس حالت میں اس کا علاج دشوار اور شفا محال ہو جائے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ سب لوگوں کے لئے کچھ اوقات ایسے ہوتے ہیں جن میں وہ علم کی طرف راغب اور وعظ و نصیحت سننے کے مشتاق ہوتے

ہیں۔ ان اوقات میں ان کے نفس صاف اور محنت و مشقت سے فارغ ہو کر آمودہ ہوتے ہیں۔ اس وقت انھیں اتنی مقدار میں تعلیم دینا اور نصیحت کرنا چاہیے جو ان کے مناسب حال ہو۔ اسی طرح کچھ اوقات ایسے بھی ہوتے ہیں جب نفوس میں تکدر اور تکان کی حالت پائی جاتی ہے وہ زندگی کی صعوبتوں سے پریشان اور زمانہ کی گردشوں سے تنگ ہوتے ہیں۔ ایسے وقت نہ وہ کسی تعلیم کو قبول کرتے ہیں نہ کسی عالم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ بلکہ ایسے مواقع سے دور بھاگتے ہیں۔ انھیں نہ کسی ناصح کی نصیحت پسند آتی ہے نہ مرشد کی ہدایت۔ جو شخص اس قسم کے اوقات میں رہنمائی کرے یا کسی اصلاح کے بارور ہونے کی توقع کرے اسے موقع ناشناس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔

نبی کی پیروی

ہمارا فرض ہے کہ ہم اس معاملے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل اتباع کریں۔ بہر حال واعظ یا مرشد کو فضول بکواس کرنے والا اور بسیار گو نہ ہونا چاہیئے، جسے اس کا احساس نہ ہو کہ وہ کیا نصیحت کر رہا ہے۔ چونکہ بہت سے لوگ وعظ و ارشاد کے طریقوں سے ناواقف اور علمی مسائل کے انتخاب اور لوگوں کو مہذب بنانے کے گر سے ناآشنا

ہوتے ہیں اور عوام کی ذہنیت سے بے خبر، اس لئے اکثر لوگوں کو ان
سے بہت کم فائدہ پہنچتا ہے۔ لوگ نہ ان کی بات پر کان دھرتے ہیں
نہ ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں بلکہ ایسی مفید صحبتوں کے بجائے لہو د
لعب کی مجلسوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ مگر جو تھوڑے اللہ کے بندے ایسے
موجود ہیں جنھیں اچھی طرح نصیحت کرنا آتا ہے یا پر اثر طریقے پر بات
کہنے کے ڈھنگ جانتے ہیں لوگ ان کی بات اچھی طرح سنتے ہیں، ان
کے دل پر ایسے لوگوں کے کلام کا اچھا اثر ہوتا ہے اور ان میں سے
جن کے دل پتھر کی طرح سخت ہوتے ہیں وہ بھی نرم پڑ جاتے ہیں۔ اس
کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نافرمانوں کی سرکشی اطاعت سے بدل جاتی ہے
اور ان کی باگ ان موقع شناس عالموں کے ہاتھ آجاتی ہے۔ اس
طرح ایسے عالم اور واعظ ان صالح اور مصلح لوگوں میں شامل ہو جاتے
ہیں جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول پر عمل کی سعادت
حاصل کی ہے کہ "لوگوں کے ساتھ آسانی اختیار کرو، انھیں دشواری
میں نہ ڈالو، بشارت دو، نفرت نہ دلاؤ"!

مدح وتعریف!

بے موقعہ اور مبالغہ آمیز باتوں کی ممانعت

عن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ قال : سَمِعَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلّم رَجُلاً یُثْنِیْ عَلیٰ رَجُلٍ وَیُطْرِیہ فی المدحۃ وفی روایۃ فی المدح وفی اُخریٰ فی مدیحہ "فقالُ اَھْلَکْتُم اَوْ قَطَعْتُمْ ظَھْرَ الرَّجُلِ - رواہ البخاری ومسلم-

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ایک آدمی کی تعریف کرتے اور اس کی ثنا و صفت میں مبالغہ کرتے ہوئے سنا، اور ایک روایت میں ہے، مدح میں، اور ایک میں ہے اس کی مدح میں (مبالغہ کرتے ہوئے سنا) تو آپ نے فرمایا تم نے ہلاک کر دیا یا اس شخص کی پیٹھ کاٹ ڈالی۔

اسے بخاری ومسلم نے روایت کیا۔

لغت

یُطْرِیه ۔ اس کی تعریف میں مبالغہ کرنا تھا۔
مدحة ۔ مدح، تعریف کی کیفیت وہیت۔
اھلکتم ۔ تم نے ہلاک کر دیا۔
قَطَعْتَم ۔ تم نے کاٹا۔

تشریح

کسی چیز کی تعریف بعض اوقات پسندیدہ اور حوصلہ افزائی کا باعث ہوتی ہے ۔ اس کی بدولت لوگوں کی ہمتیں بہت بلند ہو جاتی ہیں اور وہ بڑے بڑے کام کرتا اور دنیا میں نیک نامی و سربلندی حاصل کرتا ہے۔ صحیح داد و تحسین سے اکثر مکارم اخلاق کی بنیاد پڑتی ہے اور لوگ اعلیٰ صفات کے حصول میں منہمک ہو جاتے ہیں ۔جس وقت تعریف کی ضرورت ہو اگر اس وقت سکوت اختیار کیا جائے تو ہمت وروں کی ہمت پست ہو جاتی ہے اور ان کے بازوؤں کی قوت گھٹ جاتی ہے وہ جوش اور حوصلہ جو انھیں مستعد اور قوی بنا سکتا تھا ان کے دل ہی دل میں گھٹ کر رہ جاتا ہے لیکن یہ تعریف و ستائش بھی

اسی وقت تک بہتر ہوتی ہے جب تک اس میں میانہ روی اور اعتدال کا لحاظ رکھا جائے۔ جہاں اس میں تملق یا خوشامد کا رنگ آیا اور پسندیدہ اور قابل تعریف اعمال ایسے لوگوں سے منسوب کئے جانے لگے جوان کے اہل نہیں ہیں وہیں خرابی نے جڑ پکڑ لی اب یہی تعریف سرکشی و غرور، ذلت و نفاق، اور اہانت و حقارت کا سبب بن جاتی ہے اور اسی سے تباہی، وبال اور جھوٹ کی خرابیاں اٹھ کھڑی ہوتی ہیں کیونکہ تعریف کرنے والا بیجا تعریف کرنے اور بات کو بڑھا کر کہنے پر مجبور ہوتا ہے اور ممدوح کے لئے زبان سے وہ بات ظاہر کرتا ہے جو اس کے دل میں نہیں ہوتی۔ اس کا ممدوح کبھی تو ایسا ہوتا ہے جیسا مدح کرنے والا کہتا ہے اور کبھی فاسق و ظالم ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں اس کی تعریف ناجائز ہوگی۔ حضرت انس کی حدیث میں ہے "جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے تو خدا غضب ناک ہوتا ہے" اور حسن رضی اللہ عنہ نے ان سے روایت کی ہے کہ "جو شخص ظالم کی بقائے عمر کے لئے دعا کرتا ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ وہ دنیا میں اللہ کی نافرمانی کرے۔"

جب تک تعریف یا داد و تحسین ان آفتوں سے محفوظ رہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ

جب ان کی تعریف کی جاتی تو کہتے " اللّٰھُمَّ اغفِرْ لی مالایعلمون وَلَا تُؤاخِذْنی بما یَقُولُوْن ، واجْعَلْنِی خیراً مِمّا یَظُنُّوْن

(اے اللہ جو وہ نہیں جانتے اس کے لئے میری مغفرت فرما اور جو وہ کہتے ہیں اس پر میری گرفت نہ کر اور مجھے جو وہ گمان کرتے ہیں اس سے بہتر بنا)۔

چغلی کھانا

ایک بدترین فعل کی ممانعت

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال مرّ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم بحائطٍ من حیطان المدینۃ او مکۃ فسمع صوت انسانین یعذّبان فی قبورھما فقال النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم یعذّبان وما یعذّبان فی کبیر ثم قال بلیٰ کان احدھما لا یستتر وفی روایۃ لا یستبرئ وفی اُخریٰ لا یستنزہ من بولہ وکان الآخر یمشی بالنمیمۃ۔ رواہ البخاری وغیرہ

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینے یا مکے کے باغوں میں سے کسی باغ کے پاس سے گزرے تو آپ نے دو آدمیوں کی آوازیں سنیں جن پر ان کی

قبروں میں عذاب ہو رہا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دو نوں پر عذاب کیا جا رہا ہے اور یہ دونوں کسی بڑے گناہ میں مبتلا عذاب نہیں ہیں' پھر فرمایا 'ہاں' ان میں سے ایک پیشاب کے چھینٹوں سے نہ بچتا تھا' اور ایک روایت میں ہے" حفاظت نہ کرتا تھا' اور ایک میں ہے اپنے پیشاب سے پاک رہنے کی کوشش نہ کرتا تھا' اور دوسرا لگائی بجھائی کرتا (یا چغلیاں کھاتا) تھا اُسے بخاری وغیرہ نے روایت کیا۔

لغت

حائط۔ بستان، باغ۔

فی کبیر۔ کسی ایسی بات میں جس سے بچنا اور دور رہنا دشوار ہو۔

بَلَی۔ ہاں' اس کا خطرہ بہت ہے۔ (ترجمہ آیت۔ وہ اسے آسان سمجھتے ہیں حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات ہے۔)

یَسْتَتِرُ: اپنے اور اپنے پیشاب کے درمیان آڑ قائم نہیں کرتا یعنی اس سے حفاظت نہیں کرتا۔

یستبرئُ: پاک ہوتا ہے،

یَسْتَنْزِہُ: پیشاب لگنے سے دور ہوتا ہے یعنی اس سے بچتا ہے۔

نمیمہ۔ لگائی بجھائی کرنا تاکہ لوگوں کو نقصان پہنچے۔

تشریح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبر دی ہے کہ ایسے گناہ بھی ہوتے ہیں جنھیں انسان چھوٹے یا گناہ صغیرہ کہتا ہے اور ان کے ارتکاب کے وقت نہ ان کی پرواہ کرتا ہے نہ ان سے بچتا ہے انھیں بالکل معمولی سی بات خیال کرتا ہے، لیکن ان ہی چھوٹے چھوٹے گناہوں کا انجام بُرا ہوتا ہے اور یہی آگے چل کر بڑے گناہ بن جاتے ہیں۔ ان ہی گناہوں میں سے پیشاب کرتے وقت یا رفع حاجت کے موقع پر اس کی چھینٹوں سے نہ بچنا اور نہ ان سے احتیاط کرنا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمام مخلوق پر فضیلت عطا کی ہے (ولقد کرمنا بنی آدم۔ بیشک ہم نے اولاد آدم کو باعزت بنایا ہے) وہ اپنی حیا کھو بیٹھتا ہے، اپنے شرف کو ضائع کر دیتا ہے اور اس موقع پر اس کی حالت چوپایوں کی سی ہو جاتی ہے۔ اگر وہ پیشاب کے چھینٹوں سے نہ بچے تو یہ نجاست اس کے کپڑوں پر لگتی ہے اور اس کے جسم پر اپنا اثر پہنچاتی ہے۔ ایسا شخص لوگوں کی نظروں میں گندہ اور ناپاک سمجھا جاتا ہے اور اس کی نماز اور

عبادت میں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔

لگائی بجھائی

اسی قسم کا ایک گناہ لگائی بجھائی کرنا یا دوستوں اور عزیزوں کے تعلقات اور دوستی و اخوت میں خلل ڈالنے کے لئے ایک کی چغلی دوسرے سے کھانا اور ان کی ایسی باتیں ظاہر کرنا ہے جن کا اظہار پسندیدہ نہ ہو، خواہ یہ حرکت زبان سے کی جائے یا تحریر کے ذریعے اور جو بات ادھر سے ادھر لگائی یا پہنچائی گئی ہے وہ اعمال سے تعلق رکھتی ہو یا اقوال سے نقصان اور انجام کے لحاظ سے سب کی مضرت یکساں اور بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "چغلخور جنت میں داخل نہ ہوگا" اور یہ بھی فرمایا ہے" تم میں سے اللہ کو سب سے زیادہ محبوب وہ ہیں جو تم میں سب سے اچھے اخلاق والے اور باہم تواضع اور اعانت کرنے والے ہوں جو محبت کرتے ہوں اور محبت پیدا کرتے ہوں۔ اور تم میں اللہ کے نزدیک سب سے بُرے اور قابل نفرت وہ ہیں جو ایک دوسرے کی چغلیاں کھاتے ہیں، ان میں تفریق ڈالتے ہیں اور بے گناہوں کی لغزشوں کے جویا رہتے ہیں۔

حسن نے کہا ہے "جس نے تمھارے پاس کسی کی چغلی کھائی وہ تمھاری چغلی کسی اور کے پاس کھائے گا" بقول سعدی ؎

ہر کہ عیب دگراں پیش تو آورد و شمرد
لاجرم عیب تو پیش دگراں خواہد برد

اس کا مطلب یہ ہے کہ چغلخور سے نفرت کرنا چاہیے اور اس کی بات یا دوستی پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے۔ اس قسم کا آدمی اپنی خیانت غداری اور مفسدہ پردازی سے کسی کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا۔ یہ خرابی زبان کی ان آفتوں میں سے ہے جن سے بچنا اور پرہیز کرنا مسلمانوں پر واجب ہے، مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے نفس اور زبان کو حق، سچائی اور لوگوں کی محبت کا خوگر بنائیں۔ ان کی بھلائی کے لئے کام کریں اور جو باتیں انھیں نقصان پہنچاتی ہوں ان سے دور رہیں۔

JAP & Co.
Plot # 43/4, Q-2, Block-6,
PECHS, Near Jheel Park
Karachi.

قرآن کی تقلید

حفاظت قرآنی کی تاکید

عن ابی موسٰی الاشعری رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعاھدوا القرآن فو الذی نفسی بیدہ لھو اشد تفصیاً من الابل فی عقلھا۔ رواہ البخاری ومسلم

ابو موسٰی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قرآن کی حفاظت کرو، اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے بیشک وہ اس سے زیادہ بھاگ جانے اور چھوڑ جانے والا ہے جتنا اونٹ اپنے عقال (رسیوں) سے۔ اسے بخاری ومسلم نے روایت کیا۔

لغت

تعاهدوا القرآن - قرآن کی حفاظت کرو اور اس کی تلاوت لازم کرکے اس کی پیروی کرتے رہو۔

تفصی - رہائی۔ گریز

عُقل - عقال کی جمع رسی جس سے اونٹ کے گھٹنے باندھے جاتے ہیں

تشریح

قرآن ہماری اسلامی شریعت کا قانون، عربی لغت کا قاموس اور ہماری زندگی کا امام و پیشوا ہے جس کے ذریعے ہم ہدایت پاتے ہیں۔ اس سے اپنے تنازعات کا فیصلہ چاہتے ہیں اس کے اوامر و نواہی کا اتباع کرتے ہیں اور اس کی قائم کی ہوئی حدود پر قائم رہتے ہیں۔ اس کے طریقوں اور قاعدوں پر چلنے میں ہماری سعادت ہے اور اس کی تعلیمات کی مخالفت کرنے اور اس سے دور رہنے میں ہماری بدبختی اور شقاوت مضمر ہے۔ اس کی حفاظت کرنا اور اس کی پیروی کرنا ہم پر واجب ہے ہمیں اس کے حفظ کرنے یا ہمیشہ تلاوت اور مطالعہ کرتے رہنے کی کوشش کرنا چاہیے تاکہ

اُسے بھول نہ جائیں۔

آنحضرت کی تشبیہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو ایسے اونٹ سے تشبیہ دی ہے جس کے بھاگ جانے کا اندیشہ ہو، جب تک رسی سے اُسے باندھے رکھو بھاگنے کے خطرہ سے بچے رہو گے۔ جب ڈھیل ڈالو گے بھاگ کھڑا ہو گا۔ پھر اُسے پکڑنا اور سدھانا مشکل ہو جائے گا۔ یہی حال قرآن کریم کا ہے۔ جب تک مسلمان اس پر شدت کے ساتھ توجہ کرتے رہیں گے۔ اس کی تلاوت نہ چھوڑیں گے اور اس کی خلوت وجلوت کا جلیس اور وحشت و اضطراب کے موقع پر اپنا مونس و غمخوار بنائے رہیں گے، بے فائدہ اور لغو باتوں کے بجائے اس کا ورد رکھیں گے قرآن ان کا ساتھی بنا رہے گا اور یہ اس کی حفاظت میں کامیاب رہیں گے مگر جہاں اس کی طرف سے بے پروائی کی اور دوسری مشغولیتوں اور الجھنوں میں پڑ کر اس سے غافل ہوئے یہ ان کے ذہن سے نکل جائے گا۔ پھر اُسے چھوڑے ہوئے جیسے جیسے زیادہ دن گزرتے جائیں گے یہ ویسا ویسا فراموش ہوتا جائے گا۔ اب اُسے پھر سے یاد کرنے یا حفظ کرنے میں سخت مشقت پیش آئے گی اور اس کا دوبارہ حصول

ایک بار گراں معلوم ہونے لگے گا۔

یہ حدیث قرآنی آیت (اِنَّا سَنُلۡقِیۡ عَلَیۡکَ قَوۡلًا ثَقِیۡلًا۔ بے شک ہم تم پر ایک بھاری بات نازل کریں گے) کے مطابق ہے۔ تلاوت قرآن کی مداومت پر ابھارتی ہے۔

گناہ اور قرض

رسول اللہ کی پناہ طلبی!

عن عائشۃ رضی اللہ عنہما أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یدعو فی الصلاۃ ویقول: اللّٰھُمَّ إنی أعوذ بک من المأثم والمغرم فقال قائلٌ: ما أکثر ما تستعیذ یا رسول اللہ من المغرم فقال إنَّ الرجلَ إذا غرم حدّث فکذب ووعد فأخلف۔ رواہ البخاری۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں دعا کرتے اور یہ فرماتے تھے "اے اللہ میں گناہ اور قرض سے پناہ مانگتا ہوں۔ ایک کہنے والے نے کہا 'یارسول اللہ آپ قرض سے بکثرت پناہ مانگتے رہتے ہیں' فرمایا۔ بے شک جب آدمی قرض

لیتا ہے تو باتیں کرتا ہے اور جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کرتا ہے تو اس کے خلاف کرتا ہے۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔

لغت

اَعُوذُ : میں پناہ مانگتا ہوں۔

ماثم : گناہ

مَغْرَم : قرض، ادھار، اس کا فعل غَرِمَ، شَرِبَ کے وزن پر آتا ہے۔

تشریح

معاصی (گناہ) اللہ کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں جن کے ارتکاب سے اس نے اپنے ایمان دار بندوں کو منع فرمایا ہے اور ان کے پاس بھٹکنے سے ڈرایا ہے۔ اور قرض ــــ خدا ہر مسلمان کو اس کی ذلت سے بچائے گردنوں پر ایک بڑا بھاری بوجھ ہے۔ اس سے انسان لوگوں کے احسان جتانے اور دکھ دینے کی مصیبت سے دوچار رہتا ہے اور اکثر حالات میں ذلت و رسوائی میں مبتلا ہوتا ہے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان دونوں باتوں سے پناہ مانگنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔

صحابہ کا سوال!

آپ کے اکثر و بیشتر مواقع پر نماز میں اس سے پناہ مانگنے پر صحابہ کو اس کا احساس ہوا اور انھوں نے قرض سے بکثرت پناہ مانگنے کا سبب دریافت کیا۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ جب کوئی شخص قرض لیتا ہے تو اس بات پر مجبور ہوتا ہے کہ اپنی تنگ دستی اور افلاس کو چھپائے تاکہ اس کا دشمن اس بات میں اس کا مذاق نہ اڑائے اور اس سے اپنے قرض کا مطالبہ شدت سے نہ کرنے لگے اس لئے وہ جھوٹی سچی باتیں بناتا ہے تاکہ سننے والے اس کی طرف سے دھوکے میں آ جائیں اور اس کے دل کی بات یا حقیقت حال آشکارا نہ ہونے پائے ایسے موقع پر وہ اس قسم کی باتیں کہنے لگتا ہے "فلاں مقام پر میری اتنی زمین ہے اور ایسی ایسی تجارت ہے جس میں ہرگز نقصان نہ ہوگا ہر سال اس کے منافعے میں میرے پاس سونے چاندی کے ڈھیر لگ جاتے ہیں، فلاں فلاں پر میرا اتنا اتنا قرض ہے، میں نے کتنے ہی فقیروں اور مسکینوں پر اپنی فیاضی کی بوچھار کی ہے۔ اور کتنے ہی عاجز مقروضوں کا قرض ادا کرادیا ہے" حالانکہ حقیقت میں وہ ان سب باتوں میں جھوٹا، منافق اور فریبی ہے مگر جب تک

لوگوں پر اس کی حقیقت نہیں کھلتی وہ ایسی ہی باتیں کرتا رہتا ہے پھر جب یہ پول کھل جاتا ہے تو لوگ شدت کے ساتھ اپنے اپنے قرض کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں۔ اس وقت وہ ان سے طرح طرح کے وعدے کرتا اور امیدیں دلاتا ہے اور اس توقع پر ان کی خوشامدیں کرتا ہے کہ وہ اُسے چھوڑ دیں۔ اس کے بعد میعاد پوری ہونے پر پھر یہی صورتیں پیش آتی ہیں مگر قرض داری کی عادت و لعنت اُسے قلاش بنا چکی ہے، اس کے ذرائع اور آمدنی کے وسائل جواب دے چکے ہیں، ہاتھ بالکل خالی ہے اس لئے یہ ناؤ خشکی میں کہاں تک چل سکتی ہے مجبور ہو کر آخر میں لوگوں سے رہائی اور قرض سے معافی کی بھیک مانگتا ہے مگر کوئی فائدہ نہیں ہوتا آخر میں اپنے آپ کو تقدیر کے حوالے کر دیتا ہے اور وہ گئے کی سزا دینے کے لئے ٹھوکریں کھلاتی رہتی ہے اور اسے ذلت و رسوائی کے غاروں میں دھکیلتی ہے جہاں سے مفر کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

قرض کی صورت

یہ حالت ایسے شخص کی ہے جو ان باتوں کے لئے قرض لیتا ہے جو اللہ کو ناپسند ہیں یا جن کے لئے دراصل قرض لینے کی حاجت نہیں

ہوتی۔ اس قسم کے قرض کی بدولت کتنے ہی آباد گھر برباد ہو چکے ہیں اور کتنے ہی عزت و شرف والے لوگ ذلیل و خوار ہو گئے ہیں۔ اس بری عادت نے بڑے بڑے مغروروں کے سر نیچے کر دیئے اور ان کی آبرو کو خاک میں ملا دیا۔ یہ سب ایسے قرض کی لعنت ہے جس کی کوئی حقیقی ضرورت نہ تھی۔ محض نمائشی ٹھاٹ اور جھوٹی شان و شوکت کے لئے کیا گیا ہے یا حاکموں کو خوش کرنے اور ان کا تقرب حاصل کرنے کے لئے یا ذلیل و ناجائز خواہشوں اور ہوس رانیوں کے لئے اس بلا کو اپنے اوپر مسلط کر لیا گیا۔ یہ ہے اس قسم کا قرض جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے۔

لیکن اگر کسی سخت ضرورت سے قرض لیا جائے اور اس کے ادا کرنے کی قدرت بھی ہو تو اس قسم کے قرض سے آپ نے پناہ نہیں مانگی ہے یہ اس قسم کا قرض ہے جس سے بہت کم لوگ بچ سکتے ہیں کیونکہ ان میں سے بعض بعض کے محتاج ہوتے ہیں۔ اور اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کا ایک دوسرے سے کام پڑتا رہتا ہے۔ وہ آپس میں مستغنی اور بے نیاز ہو کر نہیں رہ سکتے۔

جس قرض سے پناہ مانگنے میں ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی ضرورت ہے وہ اسی قسم کا قرض ہے جو ذلت و خواری

کا موجب ہوتا ہے اور جس سے عزت و شرف پر حرف آتا ہے اور باہم مروت جاتی رہتی ہے یہ ظاہر ہے کہ ہمیں عزت و غیرت کی کتنی سخت ضرورت رہتی ہے اور یہ چیز بغیر اس کے حاصل نہیں ہو سکتی کہ ہم آداب دین پر سختی سے عمل کریں۔ خصوصاً اس زمانے میں جب کہ اعانت و نصرت کے وسائل کم اور دشمن بہت ہوتے جاتے ہیں ان کے مکر و فریب کے جال ہم میں پھیلے ہوئے ہیں، اور وہ ہماری وحدت و دین کا شیرازہ منتشر کرنے میں پوری طرح سرگرم عمل ہیں ہمیں ان کی جد و جہد اور مکائد سے اچھی طرح ہوشیار رہنا چاہیے۔
وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

قسم کا بیان

غیر اللہ کی قسم کی ممانعت!

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اَنّ النّبیّ صلّی اللہ علیہ وسلم سَمِعَ عمر بن الخطاب وھُو یحلِفُ بابیہِ فقال اِن اللہ ینھاکم اَنْ تحلفوُا باٰبائکم من کان حالِفاً فَلیَحلِفْ باللہِ او لیصمُتْ۔ رواہ البخاری۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بن الخطاب کو سنا کہ وہ اپنے باپ کی قسم کھا رہے تھے تو آپ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تمھیں اپنے باپ دادا کی قسم کھانے سے منع کرتا ہے جو قسم کھائے وہ اللہ کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔

تشریح

ایک آدمی جب دوسرے سے ملتا ہے اور اس سے کوئی بات کہتا یا کوئی خبر بیان کرتا ہے تو سُننے والا اُسے سچ نہیں مانتا۔ اس کا سبب یا تو یہ ہوتا ہے کہ وہ گھڑی ہوئی بات سے باخبر ہونے کی وجہ سے اس بات کو اس کے خلاف پاتا ہے، یا یہ بات اس کے نزدیک کچھ عجیب سی ہوتی ہے یا پھر کچھ اور اسباب ہوتے ہیں جو اس بات کے قبول کرنے میں حائل ہوتے ہیں۔ یا پھر سچ تو سمجھتا ہے مگر کہنے والے کی طرف سے مزید ثبوت اور تحقیق کے لئے تاکید کلام کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اس صورت میں بات کہنے والا یا خبر سنانے والا مجبور ہوتا ہے کہ مختلف قسم کی تاکیدوں سے اپنے قول یا خبر کو مضبوط اور قابلِ یقین بنائے۔ ان ہی تاکیدوں میں سے قسم بھی ہے۔

قسم کا مقصد

کسی بات پر قسم کھانے سے مراد یہ ہوتی ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی جارہی ہے اس کی عظمت کی آڑ لے کر اس بات کو بیان کیا جائے اور یہ عظمت ایسی ہو جسے کہنے اور سننے والے دونوں تسلیم کرتے ہوں۔

اس حدیث میں ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے کہ جب ہم قسم کھانے کا ارادہ کریں تو کس کی قسم کھائیں اور کسے باعظمت سمجھیں۔ آپ نے ہمیں سکھایا ہے کہ ہم اللہ کی قسم کھائیں، اپنے باپ دادا کی نہیں۔ کیونکہ حقیقی تعظیم صرف اللہ سبحانہ وتعالے کے لئے ہے اور صرف وہی بڑائی اور کبریائی کے لائق ہے۔

ممانعت حرمت کی مقتضی ہے اس لئے اس حدیث نے ہمیں سکھایا ہے کہ باپ دادا اور اللہ کے سوا ہر ایک کی نبی کی ہو یا ولی کی قسم کھانا حرام ہے اور قسم کو صرف اللہ کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے لیکن علما کا اتفاق ہے کہ قسم اللہ اور اس کی ذات وصفات عالیہ کے ساتھ منعقد ہوتی ہے۔ مالکیہ کا یہ مذہب مشہور ہے کہ باپ دادا کے ساتھ قسم کھانے کی ممانعت کراہت کے لئے ہے حرمت کی وجہ سے نہیں ہے اور حنبلیوں کے نزدیک حرمت کی وجہ سے ممنوع ہے جس کا سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے۔ "جس نے غیر اللہ کے ساتھ قسم کھائی بے شک اس نے کفر یا شرک کیا"

بعض ائمہ کی رائے ہے کہ جب تک قسم کھانے والے کے نزدیک اللہ کی اور غیر اللہ کی تعظیم مساوی نہ ہو یا قسم کفر اور فسق پر مشتمل

غیر اللہ کی قسم کھانے میں کوئی گناہ نہیں ہوتا ۔ رہیں وہ قسمیں جو قرآن میں غیر اللہ کے ساتھ وارد ہوئی ہیں مثلاً سورج، چاند اور طور کی قسمیں ۔ ان کے متعلق دو جواب ہیں ۔ ایک یہ ہے کہ ان قسموں میں مضاف، تقدیر اور رب الشمس وغیرہ محذوف ہے دوسرا یہ کہ یہ قسمیں اللہ سبحانہ وتعالےٰ کے ساتھ مخصوص ہیں ۔ اس نے اپنی مخلوقات میں سے جس چیز کی بڑائی بیان کرنا چاہی اس کی قسم کھائی ۔ اس کے سوا کسی اور کے لئے یہ بات روا نہیں ہے نیز بعض مفسرین 'ان قسموں کو، قسم نہیں، شہادت سے تعبیر کرتے ہیں ۔

نیت کا اعتبار قسم اور حلف میں ۔!

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَلیمینُ علیٰ نیّۃِ المستحلِفِ۔

ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "قسم کا اعتبار قسم لینے والے کی نیت پر ہے" اسے مسلم وابن ماجہ نے روایت کیا۔

تشریح

جب قاضی یا حاکم عدالت کے سامنے دو آدمی ایک دوسرے پر اپنے حق کے متعلق جھگڑا کرتے ہیں اور دونوں میں سے صاحب حق

کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوتی تو قاضی اس کے حریف یا فریق مقابل سے قسم کا مطالبہ کرتا ہے۔ وہ قاضی کے حکم سے قسم کھاتا ہے مگر جس بات پر قسم دی جا رہی ہے اس کے خلاف نیت کر کے قسم کھاتا ہے۔

اسی طرح دوسرے شخص سے کوئی اور کام کرنے کی فرمائش کی جاتی ہے وہ سمجھتا ہے کہ اس نے اُسے پورا کر دیا وہ اس پر قسم کھاتا ہے مگر قسم کے اندر نیت کسی اور کام کی ہوتی ہے یا اس سے جس بات پر قسم لی گئی ہے وہ اس کے سوا ذرا اعراض کر کے قسم کھاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس باب میں قسم کھانے والے کی نیت معتبر ہوگی یا قسم لینے والے کی؟

قسم کا کفارہ

یہ حدیث رہبری کرتی ہے کہ قسم لینے والے کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا نہ کہ قسم کھانے والے کی نیت کا اب قسم توڑنا اور قسم لینے والے کی نیت کے خلاف قسم کھانے کی بحث باقی رہتی ہے جو شخص قسم لینے والے کی نیت کے خلاف قسم کھانے کی بحث باقی رہتی ہے جو شخص قسم لینے والے کے منشا اور نیت کے خلاف اپنی قسم میں نیت رکھ کر قسم کھائے گا اس پر قسم توڑنے کا گناہ عائد ہوگا اور قسم کا کفارہ واجب ہو جائے گا۔

علما نے اس موضوع پر جو تفصیلی بحثیں کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ قسم دلانے والا اگر ظالم ہو یا اپنے دعوے میں جھوٹا ہو تو قسم کھانے والے کی نیت معتبر ہوگی ورنہ قسم دلانے والے کی۔ اسی طرح جب قسم دلانے والا قاضی یا اس کا نائب ہو تو اسی کی نیت پر اعتبار کیا جائے گا۔ لیکن جب قسم بغیر طلب کے ہو یا قاضی کے علاوہ کسی اور مطالبے پر ہو یا ایسی جگہ کے لئے ہو جو قسم کھانے والے کے حق سے تعلق نہ رکھتی ہو تو قسم کھانے والے کی نیت معتبر ہوگی۔

الغرض قسم تمام حالات میں قسم کھانے والے کی نیت پر موقوف ہوگی بجز اس کے کہ قاضی یا اس کا نائب اس کے سامنے پیش شدہ دعویٰ کے لئے قسم چاہے۔ اگر ایسی صورت پیش آئے تو بجائے قسم کھانے والے کے قسم لینے یا چاہنے والے کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اس حدیث سے یہی مراد ہے خواہ قسم اللہ کی کھائی جائے، یا طلاق کی یا آزادی کی قسم ہو، البتہ جب قاضی کسی کو طلاق دینے یا آزاد کرنے کی قسم دے تو توریہ (حقیقت کو چھپانا) اس کے لئے مفید ہو سکتا ہے اور اب قسم کھانے والے کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ قاضی ان دونوں پر قسم نہیں لے سکتا وہ صرف اللہ کی قسم لے سکتا ہے۔

بیع اور قسم

برکت کے تباہ ہونے کا ذریعہ!

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: سمعتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: الحلفُ منفقۃٌ للسلعۃ ممحقۃٌ للبرکۃ — وفی روایۃ للربح ۔ رواہ البخاری ومسلمؒ

ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انھوں نے کہا" میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ" قسم کھانا سامانِ تجارت کی ترویج (فروخت ہونے) کا اور برکت کے تباہ ہونے کا ذریعہ ہے ۔ اور ایک روایت میں ہے نفع کے تباہ ہونے کا ۔ اسے بخاری ومسلم نے روایت کیا ۔

لغت

حِلْف : قسم، اس سے مراد جھوٹی قسم ہے جیسا کہ امام احمد کی روایت میں اس کی صراحت کی گئی ہے۔

مَنْفَقَۃ : مصدر میمی، نَفَاق سے بمعنی رواج جو کساد (کساد بازاری) کے برعکس ہے۔

سِلْعَۃ - پونجی، متاع یا سامان تجارت۔

مَمْحَقَۃ : مَحَقَ سے، نقصان، تباہی۔

برکۃ : بیشی - زیادتی۔

تشریح

تم کسی چیز کی خریداری میں کسی تاجر سے بحث کرتے اور جھگڑتے ہو، قیمت کے تصفیے میں تمھارے درمیان اختلاف ہوتا ہے۔ اس وقت تاجر بڑی بڑی سخت قسمیں کھانے لگتا ہے کہ وہ جس قیمت پر یہ چیز دے رہا ہے اس میں آپ سے کوئی نفع نہیں لے رہا ہے، یا فلاں شخص اسی شے کی آپ سے زیادہ قیمت دے رہا تھا۔ اور آپ کو اس قیمت میں دینے سے بڑا نقصان ہے وغیرہ۔ یا اگر تم اس سے اس چیز کی

قسم اور جنس کے متعلق اختلاف رکھتے ہو تو وہ قسمیں کھا کر اعتبار دلانے کی کوشش کرتا ہے کہ یہ فلاں بڑھیا قسم کی چیز ہے اور اس میں فلاں فلاں خوبیاں ہیں یہاں تک کہ تم اپنی رائے بدل دیتے ہو اور اس کے کہنے کو صحیح سمجھ کر وہ چیز خرید لیتے ہو اور اس کی مانگی ہوئی قیمت ادا کر دیتے ہو۔ مگر بعد میں جب تحقیق کرتے ہو تو اُسے اپنی پسند کے مطابق نہیں پاتے یا ادا کی ہوئی قیمت سے اس کی مالیت کم پاتے ہو۔ ایسے تاجر کا سلوک بالکل ایسا ہی دوسروں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کا مال بکتا رہتا ہے اور دولت و سرمایہ بڑھتا رہتا ہے۔ اس کے بعد جب جمع کئے ہوئے سونے چاندی سے اس کی آنکھوں میں خوشی کی چمک نمودار ہوتی ہے تو وہ اسی طریقہ کو بڑا زرخیز اور نفع بخش سمجھ کر ہمیشہ اسی پر عمل کرتا رہتا ہے اور دل میں یہ یقین کر بیٹھتا ہے کہ وہ اسی طرز عمل کی بدولت خسارے اور نقصان سے محفوظ رہا ہے اور اسی کی برکت ہے کہ بخت و اقبال اس کے مددگار بنے ہوئے ہیں۔

وہ اس دھوکے میں ہوتا ہے کہ اس کے جسم یا مال یا اولاد پر کوئی مصیبت ٹوٹ پڑتی ہے جس کے تدارک یا علاج میں اس کی بہت سی دولت ٹھکانے لگ جاتی ہے یا کوئی حادثہ نازل ہو جاتا ہے جس میں اس کی ساری جمع جتھا ختم ہو جاتی ہے مثلاً کوئی خطرناک مرض ہو گیا۔

بیٹا بیٹی کھو گئی، چوری ہوئی، آگ لگ گئی یا ان بلاؤں میں سے کسی بلا
نے گھر دیکھ لیا جو دین کے حق کی رعایت نہ رکھنے والوں پر اور خدا کے قہر
اور اس کی شدید گرفت سے نہ ڈرنے والوں پر نازل ہوتی رہتی ہیں
یا ان لوگوں کو گھیرتی رہتی ہیں جو خدا کے نام سے تمسخر کرنے کے عادی ہیں
اور دل سے اس کی کوئی وقعت نہیں کرتے، یہ لوگ وہ ہیں جو خدا
کے نام سے قسمیں کھا کھا کر دنیا جیسی کم مایہ چیز خریدتے رہتے ہیں۔

ایسے تاجروں کا یہ حشر ان ہی حرکتوں کی بدولت ہوتا ہے اور نتیجے
میں وہ مفلس و تہدست بن کر اپنی قسمت کو رونے کوسنے لگتے ہیں
مگر یہ نہیں سمجھتے کہ یہ سب خود انھیں کے کرتوتوں کا پھل ہے۔ یہ افلاس
اور فقیری کا لباس جو ان کے بدن پر ہے خود ان ہی کا سیا ہوا ہے
اس عمیق کنوئیں کو خود انھیں نے اپنے ہاتھوں کھودا ہے جس سے
نجات کی کوئی صورت نہیں۔ یہ سب جھوٹ بولنے اور خدا کے نام پر
جھوٹی قسمیں کھانے کی شامت ہے جو اس شکل میں ظاہر ہو رہی ہے
ایسے موقع پر ان پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول صادق آتا ہے "سنستدرجہم
من حیث لا یعلمون" (ہم انھیں آہستہ آہستہ اس طرح پکڑیں
گے کہ وہ نہ جانیں گے) و اُملی لہم اِنّ کیدی متین (میں انھیں
ڈھیل دوں گا۔ بیشک میری تدبیر بڑی استوار ہے)۔

اس لئے ایمان دار پر واجب ہے کہ اپنی تجارت میں سچا اور امانت دار بنے، خائن اور دھوکا دینے والا نہ ہو، حلال و پاکیزہ قسم کے تھوڑے نفع کو ناپاک و حرام قسم کے بہت سے نفع پر ترجیح دے کیونکہ پہلی قسم کا نفع بڑی خیر و برکت والا ہے اور اس کا فائدہ مامون و محفوظ ہے اس کے لئے خطرات و حوادث کا اندلیشہ بہت کم ہے دوسری قسم کے نفع پر حادثوں اور بلاؤں کے نزول کا اندلیشہ ہے اس لئے اس میں برکت بہت کم ہوتی ہے اور ظاہری طور پر جو دولت جھوٹ اور فریب وغیرہ سے جمع ہوگئی ہے اس میں گھن لگ جاتا ہے۔ بے شبہ جو تھوڑا مال صحت، اطمینان اور فارغ البالی کے ساتھ ہو وہ مرض، بے چینی اور فکروں اور غموں کو ساتھ رکھنے والے بہت سے مال سے بدرجہا بہتر ہے۔

جانور کی خریداری

اگر اُس کا تھن بندھا ہوا ہو!

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللہُ عنہ قال: قال رَسُوْلُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اشتری غنما مُصَرَّاۃ فاحتلبھا فان رضیھا اَمسکھا وان سخطھا ففی حَلْبَتِھا صاعٌ من تَمْرٍ - رواہ البخاری وابو داؤد-

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تھن بندھی ہوئی بکری خریدے پھر اُسے دوہے تو اگر وہ اس کو پسند کرے تو روکے اور ناپسند کرے تو اس کے دوہنے کے لئے ایک صاع کھجور ہے۔

اسے بخاری وابوداؤد نے روایت کیا۔

لغت

مُصَرّاۃٌ - وہ جانور جس کے تھن اس غرض سے باندھ دیئے جائیں کہ دودھ جمع ہو جائے۔
سَخِطَہَا - اس کا خریدنا ناپسند کرے، اپنے پاس نہ رکھنا چاہے۔
صاع - دو بڑے اور ایک تہائی پیالے کی مقدار

تشریح

لعض لوگ یہ کیا کرتے تھے اور اب بھی کرتے ہیں کہ جب کسی بکری یا گائے کو بیچنا چاہتے ہیں تو دو دن یا اس سے زیادہ دنوں تک اس کے تھنوں کو باندھ دیا کرتے ہیں تاکہ ان میں دودھ جمع ہو جائے اس کے لبعد اس کو بیچنے کے لئے بازار میں لے جاتے ہیں جو شخص اس حرکت کی حقیقت سے ناواقف ہوتا ہے دل میں یہ سمجھنے لگتا ہے کہ یہ بڑا دودھ دینے والا جانور ہے۔ اس طرح وہ دھوکے میں پڑ جاتا ہے اور اُسے زیادہ قیمت دے کر خرید لیتا ہے۔ پھر جب اُسے گھر لے جاتا ہے اور دوہتا ہے تو بجز تھوڑے دودھ کے کچھ نہیں ملتا، اب اس کی سمجھ میں آتا ہے کہ دھوکا ہوا وہ جسے فربہی سمجھا تھا دراصل

سوجن تھی۔ اس وقت اس کی حیرت پریشانی اور غم کی انتہا نہ رہتی۔

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی ہے کہ جس شخص کو ایسی صورت پیش آئے اور وہ تھن بندھا ہوا جانور خریدے تو اُسے اس کے دوہنے کے بعد اختیار ہوگا کہ چاہے تو اپنے پاس رکھے اور اس عیب اور دھوکے کے بعد بھی اُسے گوارا کرے اور نہ چاہے تو بیچنے والے کو واپس کر دے مگر اس کے ساتھ دو پیالے اور تہائی پیالہ کھجور دودھ دوہنے کے معاوضے میں اُسے دے اور جو قیمت اُسے ادا کی تھی واپس لے لے کیونکہ بیچنے والے نے اس کے ساتھ دھوکا کیا اور معاملت میں فریب اور بے احتیاطی سے کام لیا۔

اُمورِ واضحہ

اس حدیث سے امور ذیل واضح ہوتے ہیں۔

۱۔ اختیار کا ثبوت صرف دوہنے کے بعد ہوتا ہے۔ جمہور کی رائے ہے کہ جب خریدار کو یہ معلوم ہو گیا کہ جانور کا تھن بندھا ہوا ہے اختیار اسی وقت ثابت ہو جاتا ہے خواہ اس نے ابھی دوہا نہ ہو۔ لیکن چونکہ اکثر تھن کا بندھا ہونا صرف دوہنے کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے اس لئے

اختیار ثابت کرنے کے لئے دوہنے کی قید لگائی گئی۔

۲۔ تھن بندھے ہوئے جانور کی بیع (فروخت) اختیار ثابت ہونے کے ساتھ جائز ہو جاتی ہے اور اس کی کوئی مدت نہیں بلکہ اس کا ثبوت دوہنے کے تین دن بعد ہوتا ہے جیسا کہ اس پر حدیث کی بعض روایات دلالت کرتی ہیں۔

۳۔ یہ حکم بکریوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ اس میں اونٹ گائیں وغیرہ سب جانور جن کا گوشت کھایا جاتا ہے شامل ہیں جن جانوروں کا گوشت نہیں کھایا جاتا جیسے گدھی وغیرہ تو ان کے دودھ کا عوض نہ دیا جائے گا اگرچہ امر مقصود کے فوت ہونے کی وجہ سے خریدار کے لئے ان کے ساتھ واپس کرنے کا اختیار ثابت ہو جائے۔

ایک سوال

اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا پہلی ہی بار کے دوہنے پر اختیار ثابت ہو جاتا ہے یا دوسری اور تیسری بار پر؟ علما کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کے لئے دوسری بار کا دوہنا جائز ہے اور پہلی بار کے بعد بھی دوہنے سے اختیار ساقط نہ ہوگا۔ البتہ تیسری بار کے متعلق ان میں اختلاف ہے۔ جمہور کا قول ہے کہ تیسری بار بھی

دوہنا چاہیے کیونکہ پہلی بار کے دوہنے سے تھن کا بندھا ہونا تحقیق سے معلوم نہیں ہوتا اسی طرح دوسری بار دوہنے پر بھی ہوسکتا ہے کہ پہلی بار دوہنے کے مقابلے میں دودھ چرائی کے اختلاف سے یا تھن باندھنے کے علاوہ کسی اور سبب سے گھٹ گیا ہو اس لئے جب تیسری بار دوہنے پر تھن کا بندھا ہونا ثابت ہوجائے تو اُسے واپس کرنے کا حق پیدا ہوجائے گا۔

۴۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صاع بکری کے ساتھ واپس کیا جائے اس سے لازم آتا ہے کہ دودھ نہ واپس کیا جائے گا اگرچہ باقی ہو یعنی بیچنے والے کے لئے اس کا قبول کرنا لازمی نہیں ہے کیونکہ نص حدیث نے اس کے لئے ایک حق ثابت کردیا ہے جو ایک صاع کھجور ہے۔ آیا کھجور ہی متعین رہے گی یا اہل شہر کے کھانے کی چیزوں میں سے کوئی اور چیز یا اس کی قیمت دی جاسکے گی؟ اسمیں مذاہب کا اختلاف ہے۔

یہ حدیث ایک صاع کے وجوب پر بھی دلالت کرتی ہے دودھ خواہ کم ہو یا زیادہ تاکہ دودھ کی کمی یا زیادتی کا جھگڑا طے ہوجائے۔ کیونکہ بعض اوقات جانور کا سودا جنگل یا میدان میں ہوتا ہے اور اس لئے کوئی ایسا شخص نہیں ملتا جس کے قول پر مقدار و قیمت کے متعلق بھروسہ کیا جائے۔

احناف کا مسلک

حنفیہ نے اس حدیث سے اختلاف کیا ہے اور اس پر عمل نہیں کیا ہے ان کے نزدیک تھن بند ھنے کے عیب کے ساتھ جانور کا واپس کیا جانا ثابت نہیں ہے۔ وہ ایک صاع کھجور کی واپسی واجب نہیں سمجھتے۔ اس بات پر ان کی حجت یہ ہے کہ اس حدیث کا حکم اصول معلومہ کے خلاف ہے اور جو بات ایسی ہو اس پر عمل لازم نہیں ہوتا۔ پہلے جزر کی تشریح یہ ہے کہ یہ بات معلومہ اصولوں میں سے ہے کہ مماثل اشیاء، کی ضمانت اپنی جیسی چیزوں سے دی جاتی ہے اور قیمت دار اشیا کی سونے چاندی میں سے نقد کے ساتھ۔ حدیث میں اس کی ضمانت کے لئے کھجور کا ذکر ہے اور وہ ان دونوں اصولوں سے خارج ہے۔

اور یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ کلی قاعدوں کا تقاضہ ہے کہ ضمانت اتنی چیز کے برابر ہو جس کی ضمانت مطلوب ہے اور یہاں مقدار ضمانت میں مطلقاً صاع کا ذکر کیا گیا ہے دودھ کم ہو یا زیادہ۔ پھر حدیث میں صاع بھر مقدار لوٹانے کا ذکر ہے خواہ دودھ باقی ہو۔

خرید فروخت

خیار مجلس کا ثبوت!

عن حکیم بن حزام: ان النّبیّ صلّی اللہ علیہ وسلم قال: البیعان بالخیار مالم یتفرّقا فان صدقا وبیّنا بورک لھما فی بیعھما وان کتما وکذبا محقت برکۃ بیعھما۔ رواہ البخاری ومسلم وابوداؤد النسائی واحمد۔

حکیم بن حزام سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بائع ومشتری (بیچنے والے اور خریدنے والے) کو (سودا طے کرنے نہ کرنے کا) اس وقت تک اختیار ہے جب تک وہ علیحدہ نہ ہوں پس اگر ان دونوں نے سچ کہا اور بیان کر دیا (زیر خرید شے کے متعلق سچائی اور کھرے پن سے کام لیا) توان

کے اس سودے میں برکت دی جائے گی اور اگر (عیب کو) چھپایا اور جھوٹ کہا تو ان کے سودے کی برکت ضائع ہو جائے گی۔ اسے بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور احمد نے روایت کیا۔

لغت

بیعان۔ بائع (بیچنے والا) اور مشتری (خریدنے والا)۔

خیار۔ اختیار سودا کرنے یا فسخ کر دینے کا۔ اس سے مراد فسخ کے اندر مجلس کا اختیار ہے کیونکہ سودا چکانے کے لئے ایجاب و قبول سے زیادہ کسی چیز کی حاجت نہیں ہے۔ سکوت کافی ہے۔

یَتَفَرَّقَا۔ دونوں بدن کے لحاظ سے علیحدہ یا الگ الگ ہو جائیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی باتوں میں فرق پیدا ہو گیا اور بدنی طور پر جدا ہو گئے۔ اس کی تردید اللہ تعالےٰ کے اس قول کی بنا پر کی گئی ہے وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ۔ کیونکہ اس میں کلام کے ساتھ متفرق ہونا ظاہر ہے جس کی وجہ اعتقاد میں مخالفت ہے اس حدیث میں جو تفریق مذکور ہے اسے بدنوں کے تفریق (علیحدہ ہونے) پر محمول کیا جاتا مرجح ہو گا اس کا سبب

بیہقی کی روایت ہے جو ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے (حَتّٰی یَتَفَرَّقَا من مکانهما (یہاں تک کہ وہ دونوں اپنے مکانوں سے متفرق (الگ الگ) ہو جائیں)

مسلک ابن عمرؓ!

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ طریقہ کہ جب وہ کوئی چیز بیچتے یا خریدتے اور اس معاملت سے پلٹنے کی صورت پیدا نہ ہوتی تو اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے اور خوش خوش چلے جاتے۔

صَدَقَا وَبَیَّنَا: یعنی بیچنے والے نے خریدار سے زیر فروخت شئے کی قسم اور اس کے عیوب سے سلامت ہونے کی نسبت سچ کہا اور اس میں جو بات تھی بیان کردی اور خریدار نے بیچنے والے سے قیمت کی نوعیت اور اس کی جنس کی نسبت سچی بات کہہ دی اور اس میں جو کچھ عیب وغیر تھا بیان کر دیا۔

کَتَمَا وَکَذَبَا۔ یعنی ان میں سے ہر ایک نے دوسرے سے اس بات کو چھپایا جو اس کی طرف سے دی جانے والی جنس میں تھی اور ہر ایک نے دوسرے کو اس چیز کے متعلق دھوکا دیا جس پر بدل بنائد ہوتا تھا۔ (دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ بائع ومشتری دونوں نے معاملت میں سچائی نہ برتی اور اصل حقیقت کو چھپانے کی کوشش

کی یا دھوکا دیا)۔

مُحِقَتْ بَرَکَةُ بَیْعِهِمَا ۔ ان کی بیع کی برکت کم ہوگئی یا جس زیادتی اور فائدہ کی ان میں سے ہر ایک کو توقع تھی وہ جاتی رہی۔ یعنی بیچنے والے کی قیمت سے اور خریدار کی خرید کردہ چیز سے برکت جاتی رہے گی کیونکہ اللہ انھیں ایسے حوادث اور مصائب میں مبتلا کردے گا جن کی وجہ سے ان کے ہاتھوں میں جو کچھ ہے جاتا رہے گا۔

تشریح

بعض اوقات انسان کوئی چیز کسی سے خریدتا ہے پھر اس کے خریدنے پر نادم ہوتا ہے۔ یہ ندامت خریدی ہوئی چیز کے نظر سے اتر جانے کی وجہ سے معلوم ہوتی ہے یا قیمت زیادہ معلوم ہونے کی وجہ سے۔ یا شروع میں اُسے خرید کردہ شے کے لوٹانے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی بعد میں کسی وجہ سے ہونے لگی۔ اسی طرح آدمی کبھی اپنے مال میں سے کوئی چیز ضرورت سے مجبور ہو کر بیچ دیتا ہے پھر اُسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نہ بیچنا اور رہنے دینا ہی بہتر تھا خواہ اس سودے میں اُسے نقصان معلوم ہو رہا ہو یا بجائے فروخت کرنے کے اُسے باقی ہی رکھنے کی کوئی ضرورت محسوس ہو۔

ایسی صورتوں میں ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان جو معاملت ہوئی ہے وہ فسخ ہو جائے یا کوئی ایسی سبیل نکلے کہ یہ دونوں اس معاہدہ سے آزاد ہو جائیں۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی ہے کہ بائع و مشتری جب تک مجلس بیع (سودا طے ہونے کے مقام) میں موجود ہوں اس وقت تک انھیں ایجاب وقبول کے بعد بھی بیع کے جاری کرنے یا فسخ کر دینے کا اختیار رہوگا اور ان میں سے ہر ایک کو حق ہوگا کہ اُسے دوسرے کی رضامندی کے بغیر فسخ کر دے

اس اختیار کا نام 'خیار مجلس' رکھا گیا ہے۔ لیکن جب ان میں سے ایک نے دوسرے کو چھوڑا اور چلا گیا تو دونوں کو یا ان میں سے کسی ایک کو بیع کے فسخ کرنے کا کوئی اختیار نہ ہوگا۔ کیونکہ ان کے درمیان جو معاہدہ تھا وہ اسی مقام سے ان کے متفرق ہونے کے بعد مضبوط ہو گیا۔ اب اس سے منحرف ہونے یا منھ پھیرنے کی کوئی صورت نہیں بجز اس کے کہ یہ دونوں باہم رضامند ہو کر اس معاملے سے رجوع کرنے پر آمادہ ہوں۔ اس لئے اس حدیث میں جس تفرق کا ذکر ہے وہ بدنی تفرق ہے کیونکہ عرف و استعمال کے لحاظ سے تفرق کا یہی مفہوم ہوتا ہے۔ اس کا سبب یہ بھی ہے کہ بائع و مشتری

میں سے کسی کو حقیقتہً بیع اس وقت تک نہیں کہا جاتا جب تک دونوں کے درمیان معاہدہ نہ ہو جائے اور جب معاہدہ طے پا جائے تو ان دونوں کی طرف سے جو تفرق ظاہر ہوتا ہے وہ اقوال کا تفرق نہیں ہوتا بلکہ بدنوں کا تفرق ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ ان میں سے ہر ایک بدیہی طور پر عام علم کی حیثیت سے یہ جانتا ہے کہ جب تک خریدار کی جانب سے زیر فروخت شے کے قبول کرنے کا اظہار نہ ہو اسے سودا کرنے نہ کرنے کا اختیار رہوگا اور جو بیچنے والا ہے اس کا اختیار اپنی ملکیت پر اس وقت تک ثابت رہے گا جب تک بیع (سودا) طے نہ پا جائے پس اگر تفرق سے مراد اقوال میں اختلاف ہوتا اور وہ یہی ایجاب و قبول کا اختلاف ہے تو یقیناً حدیث فائدہ سے خالی ہوتی اور اس کے کوئی معنی نہ ہوتے۔ جن لوگوں نے دونوں بیع و شراء کرنے والوں میں سے ہر ایک کے لئے خیارِ مجلس کو ثابت کیا ہے، انھوں نے اسی بات کو اختیار کیا ہے ایسے کرنے والوں میں صحابہ اور تابعین کی وہ جماعت ہے جس میں علیؓ ابن عمر، ابن عباس، ابو ہریرۃ، شریح، شعبی اور عطا شامل ہیں۔ مالک اور ابو حنیفہ نے خیار مجلس کے نہ قبول کرنے کو اختیار کیا ہے اور اس رائے کو ترجیح دی ہے کہ جب ایجاب و قبول کے ساتھ صفقہ

(سودا یا معاہدہ بیع) پورا ہو جائے تو بجز شرط کے کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔ چونکہ یہ حدیث ایک قوی تر حکم یعنی اس قرآنی آیت کے منشا سے معارض ہوتی ہے وَاَشْہِدُوا اذا تبایعتُم (جب تم بیع و شرار کرو تو گواہی لو) جو بیع کے وقت شہادتیں طلب کرنے پر دلالت کرتی ہے اس لئے اگر یہ صورت متفرق ہونے سے پہلے واقع ہو تو خیار مجلس کے ثابت ہوتے ہوئے اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا اور اگر متفرق ہونے کے بعد ہو تو بے محل ہوگی کیونکہ بیع تمام ہونے کے بعد وقوع میں آئے گی۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول ہے اَوْفُوا بالعقُودْ" (عہدوں کو پورا کرو) جو شخص باعث معاہدہ شے سے متفرق ہونے سے پہلے رجوع کرے گا یا پلٹے گا وہ معاہدہ کو پورا کرنے والا نہ ہوگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے 'المسلمون عند شروطہم (مسلمان اپنی شرطوں ہی کے ساتھ دیکھے جاتے ہیں) اور سودا بلا شرط طے پا جانے کے بعد اختیار رہنا شرط میں فساد پیدا کر دے گا

مشہور رہے کہ بدنوں کے ذریعے تفرق کی حد عرف عام پر موقوف کر دی گئی ہے اس لئے عرف عام جسے تفرق قرار دے اس کے مطابق حکم لگایا جائے گا ورنہ نہیں۔ یہ حدیث حیلسازی اور جھوٹ کی نحوست اور سچائی اور ہدایت کی برکت پر دلالت کرتی ہے۔

پھلوں کا سودا
پختہ ہونے سے قبل ممانعت

عن انس بن مالکؓ رضی اللہ عنہ انّ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نہٰی عن بیع الثمار حتّٰی تُزھی فقیل وما تزھی؟ قال حتّٰی تحمرّ فقال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ارأیتَ اذا منع اللہ الثمرۃ بم یأخذ احدکم مال اخیہ ۔ رواہ البخاری ومسلم

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کو ان کے بڑے ہونے سے پہلے بیچنے سے منع فرمایا ہے، آپ سے کہا گیا بڑے ہونے سے کیا مطلب ہے فرمایا یہاں تک کہ وہ سرخ ہو جائیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے دیکھا جب اللہ نے کھجور سے منع فرما دیا تو

تو تم میں سے کوئی اپنے بھائی کا مال کس چیز سے لے سکتا ہے۔ اسے بخاری اور مسلم نے روایت کیا۔

لغت

تزھی۔ لمبا یا بڑا ہو جائے۔

تشریح

لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اپنے درختوں یا باغوں کے پھل ان کی پختگی یا روگوں سے محفوظ ہونے کی صلاحیت ظاہر ہونے سے پہلے بلکہ پھلوں کے غلاف سے نکلنے سے پہلے بیچ دیا کرتے تھے۔ اس کے بعد ان درختوں یا پھلوں پر مختلف حادثے اور امراض نازل ہوتے، کھجوروں کا شگوفہ سڑ جاتا یا پھلوں میں خرابی پیدا ہو جاتی اور جب پھل توڑنے کا وقت آتا تو خریدار کو ویسے پھل نہ ملتے جیسے ان کی خریداری کے وقت اسے مرغوب تھے اب وہ بیچنے والے سے لڑتا جھگڑتا اور دونوں کے درمیان سخت عداوت اور خصومت پیدا ہو جاتی بیچنے والا کہتا، میں نے پھل بیچے تھے ان کے آفتوں سے محفوظ ہونے کی ضمانت نہیں دی تھی۔ خریدار کہتا، میں نے تو

اسی لئے خریدے تھے کہ ان کی جو قیمت ادا کی ہے اس سے فائدہ اٹھاؤں، تم نے جو قیمت مجھ سے لی ہے وہ تمہارے لئے کیسے جائز ہوگی جب مجھے اپنی خریدی ہوئی چیز میں سے کچھ نہ ملا، اس قسم کی صورت میں جو بغض اور کینہ پیدا ہو جاتا ہے اس کا اندازہ کرنا کچھ دشوار نہیں۔

حکمت آمیز حکم!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیچنے اور خریدنے والوں کو اس وقت تک کے لئے پھلوں کا سودا کرنے سے منع فرمایا جب تک پھلوں کی صلاحیت، سرخی اور زردی ظاہر نہ ہو اور وہ خرابی یا تباہی سے محفوظ نہ ہو جائیں۔ تاکہ بعد میں ان کے درمیان لڑائی جھگڑا نہ ہو کیونکہ پھلوں کی صلاحیت نمایاں ہونے پر ان سے ہر شخص اس معاملت کی حقیقت سے آگاہ رہے گا اور اس وقت جو لین دین ہوگا وہ مامون و محفوظ نوعیت کا ہوگا۔

اس ظاہری ممانعت کی وجہ سے بعض علماء نے پھلوں کے بڑے ہونے سے پہلے کی بیع کو باطل و ناجائز قرار دیا ہے خواہ پھلوں کے وجود سے پہلے بیع طے ہوئی ہو یا اس کے بعد یا ان کے رنگ پکڑنے سے قبل معاملت ہوئی ہو۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ایسی بیع

جائز ہے۔

اس حدیث کا انتہائی حصہ ممانعت بیع کے سبب پر دلالت کرتا ہے۔ اس میں بائع (بیچنے والے) کو مخاطب کیا گیا ہے کہ وہ اپنے بھائی کا مال ناجائز یا ناحق طور پر نہ کھائے اور مشتری سے خطاب ہے کہ وہ اپنا مال ضائع نہ کرے اور بائع کو ناحق نفع وصول کرنے میں مدد نہ دے۔ اس کے علاوہ اس حدیث میں مسلمانوں کے درمیان نزاع کے اسباب منقطع کرنے کی ہدایت بھی موجود ہے۔

سوال وجواب

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا پھلوں کی جنس میں صلاحیت کا ظاہر ہونا کافی ہے؟ اگر شہر کے کسی باغ میں صلاحیت نمایاں ہو تو تمام باغوں کے پھلوں کی بیع جائز ہو گی اگرچہ ان سب میں صلاحیت ظاہر نہ ہوئی ہو، یا علیحدہ علیحدہ ہر باغ میں اظہار صلاحیت ضروری ہے، یا الگ الگ ہر جنس کی یا ہر درخت کی صلاحیت کا ظاہر ہونا ضروری ہے۔ امام مالک کہتے ہیں پھلوں کی جنس میں صلاحیت کا ظاہر ہونا سب کی بیع جائز ہونے کے لئے کافی ہے۔ اگرچہ ان کی صلاحیت نمایاں نہ ہوئی ہو اور خواہ وہ مختلف قسموں کے ہوں۔

امام احمد کا قول ہے ہر باغ کی صلاحیت کا علیحدہ علیحدہ ظاہر ہونا ضروری ہے۔ امام شافعی کہتے ہیں ہر جنس کی بیع درست ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس جنس میں سے بعض کی صلاحیت ظاہر ہو جائے سب کی صلاحیت کا اظہار مشروط نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا نشو و نما ملتا جلتا ہے اور سب کی صلاحیت کی شرط ان میں سے اکثر کے فاسد ہونے کا سبب بن جائے گی۔

بیشک اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں پر یہ احسان فرمایا ہے کہ تمام پھلوں کو اکبارگی ہی عمدہ نہیں بناتا ان میں پختگی وغیرہ کی صفات بتدریج پیدا کرتا ہے تاکہ پھل زیادہ دن تک کھائے جاسکیں اور لوگ ایک مدت تک ان سے لطف اندوز ہو کر اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کریں۔

درگزر اور عفو

فضیلت اور بشارت کا سبب

عن ابی هُرَیْرَةَ رضی الله عنه قال: کان تاجرٌ یُدایِن النّاسَ، فاذا رأی مُعسراً قال لفتیانه تجاوزوا عنهُ لعلّ الله اَن یتجاوزَ عنّا فتجاوز الله عنہُ

رواہ البخاری۔

ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا ایک تاجر لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا جب وہ کسی تنگ دست کو دیکھتا اپنے جوانوں (خادموں) سے کہتا اس سے درگزر کرو شاید اللہ ہم سے درگزر فرمائے۔ پس اللہ نے اُسے معاف کردیا۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔

تشریح

تنگدستوں اور مفلسوں سے درگزر کرنا اور غموں اور صدموں میں مبتلا ہونے والوں کو غم سے رہائی دلانا اللہ کے نزدیک بہت بڑے ثواب اور اجر کا کام ہے۔ ایسے کام کرنے والا لوگوں کی تعریف اور شکر گزاری کا مستحق ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے (جسے اس بات سے خوشی ہوتی ہو کہ اللہ اسے قیامت کے دن کے غموں سے نجات دے تو اسے چاہیئے کہ کسی تنگ دست یا مفلس شخص کو تسلی دے یا اس کا قرض معاف کردے) اور یہ بھی فرمایا ہے (جو شخص کسی مومن کا غم اس کے دنیا کے غموں میں سے دور کرے تو اللہ قیامت کے دن کے آلام میں سے اس کا غم دور فرمائے گا)۔

آدمی پر کبھی کبھی ایسی مصیبت یا مالی پریشانیاں نازل ہوتی ہیں کہ اس کا تمام سکون رخصت ہوجاتا ہے اور دنیا اس کے لئے حد سے زیادہ تنگ ہوجاتی ہے۔ ہوش وحواس عقل وخرد سب پر تفکرات کا غلبہ رہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ کسی قیمت پر بھی خواہ کتنی ہی گراں ہو، ان سے نجات پائے بعض اوقات وہ پے درپے قرضوں

کے بوجھ سے اتنا تنگ آجاتا ہے کہ یہ تمنا کرنے لگتا ہے کہ کاش زمین اُسے نگل جائے۔ اس پر اتنی مشکلات پڑتی ہیں کہ گھر کا تمام اثاثہ نقد ہو یا جنس یا جائداد کچھ باقی نہیں بچتا۔ ایسے عالم میں جس شخص نے اُسے قرض دیا تھا اگر وہ اس کو اس بلا سے نجات دلادے، اس کا کچھ قرض معاف کردے یا اس سے درگزر کرکے اس کی فکر اور غم کو رفع کردے تو اس کی حالت ایسی ہوجاتی ہے۔ جیسے اس نے نئی زندگی پائی ہو اور موت کے جنگل میں پھنستے پھنستے بچ گیا ہو۔

اس موقع پر اس بات پر غور کرنا ضروری ہے کہ ایک تاجر شخص کا کام ہی نفع حاصل کرنے اور کمانے کھانے کے لئے خرید وفروخت کرنا ہے۔ وہ اپنی دولت بڑھانے اور بازار میں اپنی ساکھ بڑھانے اور زیادہ سے زیادہ کمانے پر جتنا حریص ہوتا ہے ظاہر ہے۔ اگر ایسا شخص اپنے قرض کی رقم میں سے کچھ معاف کردے تو یہ بات اس کے اخلاص پر دلالت کرے گی اور اس سے معلوم ہوگا کہ اس کا نفس حرص سے محفوظ ہے اور خیر و ثواب کی طرف راغب ہے۔ اسی لئے اگر اللہ اس کی برائیوں کو معاف فرمادے یا گناہوں سے درگزر فرمائے تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہ ہوگی۔ پھر وہ تو غفور رحیم ہے۔

قرض کا مسئلہ
لین دین کا کھرا پن — ؟

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ اَن رجلاً اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتقاضاہُ فاغلظ فھم بہ اصحابُہ، فقالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعُوہُ فانَ لصاحِب الحق مقالاً ثم قال اَعطُوہُ سِنا مِثْلَ سِنِّہٖ، قالوا یا رَسُولَ اللّٰہِ لانجدُ اِلَّا اَمثَلَ من سِنِّہٖ، فقال اَعطُوہُ، فانَ خیرکم اَحسَنُکُمْ قضاءً۔

رواہ البخاری ومسلم بالفاظ مختلفۃ

ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تقاضا کرتا ہوا آیا اور اس نے شدت کی۔

آپ کے اصحاب نے اُسے سزا دینا چاہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے چھوڑ دو کیونکہ حق والے کو کہنے کا حق ہوتا ہے پھر فرمایا اُسے ایسے دانتوں والا اونٹ دو جیسا ان کا اونٹ تھا لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ہمیں اس کے اونٹ سے بہتر دانتوں والے کے سوا کوئی اونٹ نہیں ملتا، آپ نے فرمایا اسے دے دو کیونکہ تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو قرض ادا کرنے میں سب سے اچھا ہو۔ اسے بخاری اور مسلم نے مختلف الفاظ میں روایت کیا۔

لغت

یَتَقَاضَاہُ : وہ آپ سے قرض ادا کرنے کا مطالبہ کر رہا تھا۔

اَغلظ ۔ اس نے مطالبہ میں سختی کی۔

فَھَمَّ بِہٖ اَصحابہ ، اس پر آپ کے صحابہ نے اُسے ستانے یا سزا دینے کا ارادہ کیا۔

مَقَالاً : مطالبہ میں شدت و قوت

سِنًّا مِثلَ سِنِّہٖ ۔ ایسا اونٹ جس کے دانت اس شخص کے اونٹ کے دانتوں کی طرح ہوں۔

اَمثَل ۔ افضل، بہتر۔

تشریح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے ایک اونٹ قرض لیا، جب ادائی کا وقت آیا تو اعرابی نے اپنے مال کا مطالبہ کیا لیکن مطالبہ میں نرمی اور خوش اسلوبی نہیں برتی بلکہ اعراب کی عادت کے مطابق شدت سے پیش آیا۔ اس کی یہ بات بعض صحابہؓ کو جو اس وقت حاضر خدمت تھے ناگوار گزری، انھوں نے چاہا کہ اُسے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے ادبی کرنے پر سزا دیں، مگر انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب واحترام کی وجہ سے ایسا نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا، اسے چھوڑ دو، اس کی بات نہ پکڑو، تاکہ اس کا حق واضح ہو جائے اور وہ اپنے مال کا مطالبہ کرسکے۔ کیونکہ جس شخص کا کوئی حق ہوتا ہے اس میں ایک غلبہ وزور اور اس کے بیان میں قوت وشدت ہوتی ہے اگر اس کے اور اس کے مطالبہ کے درمیان کوئی شے حائل ہو جائے تو اس کا حق ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے اور وہ جھوٹا اور مکار شمار کیا جائے گا۔

یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن اخلاق میں سے ہے۔

آپ گویا اعرابی کے شدتِ مطالبہ کی معذرت فرما رہے تھے اور صحابہ کے غیظ و غضب اور اس پر زیادتی کرنے کے ارادے کی روک تھام فرمانا چاہتے تھے۔ آپ نے اخلاقِ مصطفوی سے کام لیا اور صحابہ کی طرف سے جو اندیشہ اور خوف اس پر طاری ہو گیا تھا اُسے دفع فرما دیا۔

پھر آپ نے حکم دیا کہ اس کے لئے ایک اونٹ خریدا جائے اور اس سے اس کا قرض ادا کیا جائے اس پر لوگوں نے کہا ہمیں تو جو اونٹ بھی ملتا ہے اس کے اونٹ کی طرح نہیں ہوتا بلکہ اس سے بہتر ہی ملتا ہے اس پر آپ نے فرمایا۔ اس کے اونٹ سے بہتر ہی خرید لو اور اُسے دے دو تاکہ تمھیں حسن و خوبی سے قرض ادا کرنے کی فضیلت حاصل ہو

یہ حدیث چند امور پر دلالت کرتی ہے۔

جب میعاد گزر جائے تو مطالبہ قرض کا جائز ہونا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن اخلاق آپ کے حلم و تواضع کی عظمت اور آپ کا انصاف، صاحب حق کے ساتھ زیادتی کرنے کی برائی خواہ اس نے مطالبہ میں بدسلوکی کی ہو، اونٹوں کے قرض لینے کا جواز، اسی میں تمام اقسام کے حیوان کا قرض لینا شامل ہے اور اسی پر اکثر علما کا اتفاق ہے۔ حنفیہ نے اسے جائز نہیں کیا ہے کیونکہ اس سے حیوان کا حیوان کے عوض ادھار فروخت کرنا ظاہر ہوتا ہے اور اس بات سے

تمام صحیح احادیث میں منع کیا گیا ہے جن کے راوی ثقات (ثقہ) ہیں لہذا وہ احادیث اس حدیث کو منسوخ کرنے والی ہوں گی اور چونکہ حیوانات میں افراد کے اختلاف کی وجہ سے بڑا فرق ہو جاتا ہے اس لئے اس عمل سے خصومت اور نزاع پیدا ہو گا۔ یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ اگر کسی نے کوئی چیز قرض لی ہو تو اس کے لئے اس سے بہتر چیز کے ذریعے اس قرض کو ادا کرنا جائز ہے بشرطیکہ معاہدہ قرض میں اُسے مشروط نہ رکھا گیا۔ ورنہ ایسی صورت حرام ہو گی کیونکہ یہ سود ہو گا۔ اور زیادہ ہونے میں قلیل اکثیر اور صفت و مقدار سب مساوی ہیں۔ یعنی ان میں سے کسی بات کی بھی زیادتی ہو یکساں ہے۔

برہمی کے عالم میں فیصلہ اور تحکیم کی ممانعت

عن ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ قال سَمِعْتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ : لا یقضین حَکَمٌ وفی روایۃ لا یحکُمُ اَحَدٌ بین اثنین وھو غضبانُ . رواہ الجماعۃ ۔

ابی بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی حَکَمْ (فیصلہ کرنے والا) اور ایک روایت میں ہے، کوئی شخص دو آدمیوں کے درمیان اس حال میں فیصلہ نہ کرے کہ وہ غصہ میں ہو۔ اسے ایک جماعت نے روایت کیا۔

لغت

حَکَمٌ: حاکم، اس لفظ کا اطلاق ثالث پر بھی کیا جاتا ہے جس کے فیصلے پر دونوں فریق رضامند ہوں۔

تشریح

عدل (انصاف) تمدن کا ستون ہے اور نفوس کے سکون و اطمینان کا باعث ہے۔ اس کے ذریعے حق غالب اور باطل مغلوب و مقہور ہوتا ہے۔ ڈرنے والے اس کے سایوں میں امن سے رہتے ہیں اور ظالم اس کے دبدبے اور سطوت سے لرزہ براندام نظر آتے ہیں۔ یہ حق بجانب ضعیف کو قوی اور جھوٹے طاقتور کو کمزور بناتا ہے۔ اس کے نور سے چندر روزہ زندگی کی راہیں روشن ہو جاتی ہیں اور جور و لتعدی کا زور و شور اس کی چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتا ہے۔

لوگوں کے مناقشات اور تنازعات کا فیصلہ کرنے اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کرنے کے لئے ایسا شخص زیادہ موزوں ہے جو معاملات کو ان کے طریقے پر طے کرنے اور طول طویل اقوال اور دعوؤں میں سے حق بات کو چھانٹ لینے کی نمایاں صلاحیت رکھتا ہو۔ یہ

قابلیت صرف اسی شخص میں ہوسکتی ہے جو ذہن کا حاضر اور حافظہ کا قوی ہو، جو کچھ عرصہ اس کے سامنے کہا جائے اُسے ذہن میں محفوظ رکھکر ایک اچھے جوہری اور ہوشیار نقاد کی طرح اس میں سے کھرا کھوٹا الگ کرسکے' اپنے معاملات کا مالک ہو اور ایسے حوادث و انقلابات سے خالی الذہن ہو جو اس کے اور اس کے لئے مقرر کی ہوئی باتوں میں حائل ہوتے ہوں، اتنا سنجیدہ ہو کہ اُسے خواہشیں بے قرار نہ کر دیتی ہوں اور مبالغہ اور خوشامد اس کے ہوش و حواس اور عقل کو آپے سے باہر نہ کر دیتی ہو۔ اتنا بردبار اور حلیم ہو کہ مکدر کرنے والے امور اسے اپنی جگہ سے نہ ہٹا دیں اور نہ پریشانیاں اس میں ہیجان پیدا کریں اس کا نفس غموں اور فکروں سے خالی ہو' جب اتنی خوبیاں اور خصوصیات اس میں موجود ہوں تب عدل صورت پذیر ہوتا ہے اور اس کا فیصلہ پسندیدگی کا درجہ حاصل کرتا ہے۔ سرکش اور ظالم لوگ صرف ایسے ہی شخص کے آگے سر جھکاتے ہیں اور اس کی بدولت ہوا و ہوس کی شدت اور جور و طغیان کا زور ٹوٹتا ہے اور شر و فساد کا خاتمہ ہوتا ہے۔

لیکن اگر قاضی یا حکم یا حاکم میں یہ صفات نہ ہوں تو اس کی نظر مختل ہوتی ہے اور اگر وہ اپنے حکم میں حق سے باطل کی طرف تجاوز کر جاتا ہے

اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ غصّے کے وقت اس کو اپنے نفس پر قابو نہیں ہوتا اور اُسے پھیرنا یا غصّے پر غلبہ پانا اس کے لئے دشوار ہوتا ہے۔ یہی حال اس کے تمام امور کا ہوتا ہے جو اس کے دل سے تعلق رکھتے ہیں اور اسے نظر کے حادی ہونے اور حق وصواب کے واضح کرنے والی دقیق تلاش سے بہکا دیتے ہیں۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں قاضی کو غصّے کی حالت میں فیصلہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ علما نے غصّے ہی پر ایسی تمام باتوں کو قیاس کیا ہے جو عقل پر اثر انداز ہوتی ہوں اور فکر کو متغیر کر دیتی ہوں مثلاً بھوک، بیماری، غم، صدمہ وغیرہ۔

گری پڑی چیزیں کیا کرنا چاہیے؟

عن زید بن خالد رضی اللہ عنہ قال: جاء رجلٌ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسألہٗ عن اللقطۃ: فقال اعرف عفاصہا ووکاءھا ثم عرّفہا سنۃً فان جاء صاحبہا والّا شانک بہا، قال: فضالّۃ الغنم، قال ھی لک او لاخیک او للذّئب قال: فضالّۃ الابل قال مالک ولہا؟ معہا سقاءُ ھا وحذاءُ ھا ترد الماءَ وتاکل الشّجر حتّٰی یلقاھا ربُّھا۔

رواہ البخاری وغیرہ بالفاظ مختلفۃ۔

زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا،

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے لُقَطہ (ایسا مال جو معرض تلف میں ہو اور جس کا مالک معلوم نہ ہو) کے متعلق پوچھا: آپ نے فرمایا اس کے بٹوے کو اور اس کے بندھن کو پہچان لو پھر ایک سال تک مقدور بھر اُسے لوگوں میں پہنچاؤ، اگر اس کا مالک آجائے (تو اُسے دے دو) ورنہ اس میں تصرف کرلو (اپنے کام میں لے آؤ) اس شخص نے کہا اور کھوئی ہوئی بکری' فرمایا "وہ تمھاری ہے یا تمھارے بھائی کی یا بھیڑیئے کی' اس نے کہا" اور کھویا ہوا اونٹ' فرمایا' تمھیں اس کی کیا فکر ہے؟ اس کے ساتھ اس کے پانی پینے کا سامان ہے اور اس کے پاؤں ہیں وہ پانی پر آتا ہے اور درخت (کے پتے وغیرہ) کھاتا ہے یہاں تک کہ اس کا مالک اُسے مل جاتا ہے۔

اسے بخاری وغیرہ نے مختلف الفاظ میں بیان کیا۔

لغت

لُقَطہ: ہر بچا ہوا مال جو معرض تلف میں ہو اور اس کا مالک معلوم نہ ہو، اکثر اس لفظ کا استعمال غیر حیوان پر ہوتا ہے۔ اس قسم کے حیوانات

کہ جن کا مالک معلوم نہ ہو 'ضالۃ' کہا جاتا ہے

عفاص۔ بٹوا چمڑے وغیرہ کا۔

وکاء۔ بٹوے وغیرہ پر باندھنے کا تاگہ یا بندھن وغیرہ۔ عفاص اور وکار کی پہچان سے مراد یہ ہے کہ کسی کی پڑی ہوئی چیز یا چھوڑی ہوئی چیز کو ایک چمڑے کے بٹوے میں رکھ کر اُسے کسی چیز سے باندھ دیا جائے تاکہ اُسے اور چیزوں سے پہ[illegible] سکے اور جب اس کا مالک آئے تو اس چیز کی علامات اس سے دریافت کرکے اس کا سچ جھوٹ معلوم کیا جا سکے۔

عَرِّفھا سَنَۃ۔ لوگوں کو مقدور بھر ایک سال تک اس سے واقف کراؤ تاکہ اس کے مالک کو اس کا حال معلوم ہو جائے۔

شَأنُکَ بھا:۔ اس میں تصرف کرو۔ کام میں لاؤ۔

لاخیک: اس سے مراد اس کا مالک ہے یا کوئی اور رے جانے والا۔

للذئب: بھیڑیا' اس سے مراد ہر پھاڑ کھانے والا حیوان یا درندہ

مالَکَ ولھا۔ تمھیں اس کی کیا فکر ہے' اس کو اپنے حال پر چھوڑ دو

سقاؤھا۔ سقا' پانی کا برتن۔ اس سے مراد اونٹ کی وہ تھیلی ہے جس میں وہ پندرہ دن کا پانی جمع کر لیتا ہے اور کئی کئی دن بغیر پانی پئے چل سکتا ہے۔

حذاؤھا، اونٹ کے پاؤں۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے پاؤں

اس میں چلنے اور دور دور کی مسافتیں طے کرنے کی قوت پیدا کرتے ہیں۔ وہ درختوں سے چر سکتا ہے اور پھاڑ کھانے والے جانوروں کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

رَبُّھا۔ اس کا مالک۔

تشریح

یہ حدیث تین باتوں کے حکم پر مشتمل ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کی گئی تھی۔

۱۔ لُقَطَہ: اس کی تعریف اوپر گزر چکی ہے اس کا اطلاق اکثر غیر حیوان پر ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق ہدایت فرمائی ہے کہ پڑی ہوئی چیز پانے والے پر واجب ہے کہ اس کی ایسی علامات بنائے جو اُسے اور چیزوں سے ممتاز کر سکیں مثلاً نوع، جنس مقدار، وغیرہ کے لحاظ سے کسی خاص برتن میں رکھے یا اس پر کوئی خاص بندھن باندھ دے۔ اور اس کی حفاظت اپنے مال کی طرح کرے اُسے مالِ غنیمت سمجھ کر اُسے مٹنے یا خرچ کرنے کے لئے نہ چھوڑ دے اس کا خیال رکھے کہ اس قسم کا مال ادنیٰ ہو یا اعلیٰ درجے اور اچھی قسم کا ہو اس کی حفاظت یکساں طور پر کی جائے۔ پھر لوگوں کے مجمع میں یا اور

طرح جیسے کرسکے کوئی کھوئی ہوئی چیز پانے کا اعلان کرے، جن جن مسجدوں میں گمان ہو کہ اس کا مالک آئے گا، ان میں نماز کے بعد اس کا اظہار کرے تاکہ اس کے مالک کو معلوم ہو سکے۔ ان کوششوں کی مدت ایک سال ہے۔ یہ صورت ایسی چیزوں کے لئے ہے جن کی قیمت بہت کم نہ ہو۔ جمہور علما کا قول ہے ایک سال تک ایسی شے کے پہنچوانے کی کوشش کرنا واجب ہے، جب کہ اس کے مالک کے لئے اسے محفوظ رکھنے کا ارادہ ہو۔ اس لئے زیادہ صحیح یہی ہے کہ اُسے پہنچوانے کی کوشش ضرور کی جائے۔

تھوڑی اور کم قیمت شے کا یہ حال ہے کہ اس کے متعلق لوگ سمجھتے ہیں کہ عادات اور عمل کے مطابق اس کا مالک اس کی جستجو نہ کرے گا اس لئے جسے کوئی ایسی معمولی اور کم قیمت کی چیز ملتی ہے وہ اس کو پہنچوانے کی بالکل کوشش نہیں کرتا اور اس کو پانے کے ساتھ ہی اس کا مالک بن جاتا ہے۔ یا اگر اس شے کا مالک اس کی تلاش بھی کرے تو تھوڑے دن اس کی پہچان کرانے کی کوشش کی جاتی ہے اس کے بعد غالب گمان یہ قائم ہو جاتا ہے کہ اس مدت کے بعد اس کا مالک اس کا مطالبہ نہ کرے گا۔

اگر لُقَطَہ (پڑی ہوئی چیز) ایسی چیز ہو جس میں پڑے رہنے اور

کام میں نہ لانے سے جلد خرابی پیدا ہو جائے۔ مثلاً کھانے پینے کی چیزیں ان کے لئے یہ حکم ہے کہ جو شخص انھیں پائے اُسے چاہیئے کہ اس سے نفع اٹھائے یعنی کھا پی لے اور اس کے مالک کو اس کا معاوضہ ادا کر دے۔ اور مالک کو چاہیئے کہ اُسے صدقہ کر دے۔ اس پر کوئی ضمانت نہیں۔

رہا ایسی چیزوں کو پا کرے لینا مستحب ہے اور بقول بعض واجب ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر وہ چیز کسی ایسی جگہ ہے جہاں چھوڑ دینے سے وہ محفوظ رہے گی تو اس حالت میں اس کو لے لینا مستحب ہے ورنہ واجب ہے۔ اور اگر نفس کے اندر اس کی طمع پیدا ہو جائے تو اُسے لینا حرام ہوگا۔ یہ تمام احکام حرم (بیت اللہ) کے علاوہ مقامات پر لقطہ سے متعلق ہیں لیکن حرم کے لقطے کا لینا حرام ہے صرف اُسے شناخت کرانے یا لوگوں میں پہنچانے کے لئے لیا جا سکتا ہے۔ تصرف میں لانے کے لئے نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ (لا یلتقط لقطھا ـ مکتہا ـ الا من عرّفہا) اس میں یعنی مکہ میں لقطہ یا پڑی ہوئی چیز صرف اُسے پہنچانے کے لئے لی جا سکتی ہے ورنہ نہیں جب امانت مفقود ہو گئی اور لوگوں میں طمع غالب ہوئی تو حکومتوں نے اپنے قوانین میں یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ جب کوئی شخص کسی چیز کو

پائے تو اس پر واجب ہے کہ اسے حکومت کے آدمیوں کے سپرد کر دے ورنہ چور سمجھا جائے گا اور جس سزا کا حق دار ہوگا وہ سزا پائے گا۔ اور یہ وہ طریقہ ہے جس میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

جتنی مدت لقطہ کے تعارف کی مقرر ہے اس مدت میں لقطہ اس شخص کے نزدیک امانت ہوگی جو اُسے اٹھائے گا۔ اگر وہ ضائع ہو جائے تو اس کا معاوضہ نہ کیا جائے گا۔ ہاں اگر زبردستی ہو تو کر دیا جائے گا۔ جو شخص اُسے پائے اگر اسے اس کا مالک مل جائے اور کھوئی ہوئی چیز کی ممتاز اور مخصوص نشانیاں یا علامتیں ایسی بیان کر دے جس سے اسی قسم کی اور چیزوں سے اُسے پہچانا جا سکتا ہو تو پانے والے کا فرض ہوگا کہ وہ چیز اس کے مالک کو واپس کر دے۔ اس میں گواہیاں طلب کرنے کی شرط نہیں ہے۔

جب یہ مدت گزر جائے اور اس کا مالک اس کا مطالبہ نہ کرے تو اس چیز کا پانے والا اس کو کام میں لا سکتا ہے۔ اگر اس کے بعد مالک کی تحقیق ہو اور وہ اس کو طلب کرے تو اس پر اس کا معاوضہ عائد ہوگا۔

۲۔ کھوئی ہوئی بکری: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر (ھِیَ لَکَ اَوْ لِاَخِیْکَ الخ) وہ تمھاری ہے یا تمھارے بھائی کی) اس کو لینا جائز فرما دیا ہے۔ گویا آپ نے فرمایا کہ وہ ایک کمزور جانور ہے اس کے ہلاک

ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اور اس عالم میں ہے کہ تم سے تو یا تمھارا بھائی جو اس کا مالک ہے یا اور پانے والا۔ یا اُسے جنگلی جانور، درندے وغیرہ پھاڑ ڈالیں، اس طرح آپ نے اس کے لے لینے کی اور اس پر تصرف کرنے کی ترغیب دی۔ اب سوال یہ ہے کہ اُسے بھی پہنچوانا واجب ہے یا نہیں۔

جمہور اسی کے واجب ہونے پر متفق ہیں۔ اگر اس کا مالک مطالبہ نہ کرے تو پانے والے کو چاہیے کہ اُسے لے لے اور اسی کے مالک کو اس کی قیمت ادا کر دے۔ مالکیہ کا قول ہے کہ پانے والا اُسے لیتے ہی مالک بن جائے گا اور اس پر اس کا کوئی معاوضہ نہ ہوگا خواہ اس کا مالک ہی کیوں نہ آجائے۔ کیونکہ اس حدیث میں بھیڑیے اور اُسے پانے والے کے درمیان مساوات رکھی گئی ہے۔ جس طرح بھیڑیے پر کوئی تاوان عائد نہیں ہو سکتا، اسی طرح پانے والے پر نہیں ہوتا۔

لیکن اس بات پر سب متفق ہیں کہ اگر بکری وغیرہ جانور کا مالک اُسے کھا لئے جانے سے پہلے آجائے تو وہ جانور اُسے واپس کر دیا جائے

۲۔ کھویا ہوا اونٹ۔ اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ اونٹ اس سے بے نیاز ہے کہ جس نے اُسے پایا ہے وہ اس کی دیکھ بھال کرے۔ کیونکہ اس کی طبیعت میں پیاس سے

مقابلہ کرنے کی طاقت رکھی گئی ہے اور وہ بلا دقت درختوں میں سے اپنی غذا حاصل کرسکتا ہے۔ کیونکہ اس کی گردن لمبی ہوتی ہے وہ کسی پالنے والے کی خدمت یا نگرانی کا محتاج نہیں ہوتا۔ جہاں وہ کھویا ہو وہیں اس کا مالک اُسے آسانی سے پاسکتا ہے بجائے اس کے کہ لوگوں کے اونٹوں میں تلاش کرتا پھرے۔

کثرت سوال

اور ماں کی نافرمانی کی ممانعت

عن المغیرہ بن شعبۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان اللہ حرّم علیکُمْ عقوقَ الاُمّھاتِ ووأدَ البناتِ ومنع وھاتِ، وکرِہَ لکم قیل وقالَ وکثرۃَ السوالِ واضاعۃَ المال۔ رواہُ البخاری۔

مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بیشک اللہ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی اور بیٹیوں کو زندہ دفن کرنا حرام کیا ہے جس چیز کو اللہ نے دینے کا حکم دیا ہے اس سے منع کرنے کو اور جس کا حق دار نہیں ہے۔ اس کے مانگنے کو حرام کیا ہے اور تمھارے لیے باتوں کی کثرت اور سوال کی کثرت اور مال ضائع کرنے کو مکروہ کیا ہے۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔"

لغت

عُقُوقَ الاُمّہات ۔ ماؤں کو ستانا، ان کے حقوق نہ ادا کرنا (ان سے نافرمانی و سرکشی)

وَأْدُ البناتِ : لڑکیوں کو زندہ دفن کردینا ۔

منع ۔ روکنا ۔ منع کرنا ۔

ھاتِ ۔ اسم فعل بمعنی 'مجھے دو' یہاں منع وہاتِ سے مراد جس چیز کے دینے کا حکم دیا گیا ہے اس کے دینے سے روکنا یا منع کرنا اور جس کا استحقاق نہیں ہے اسے طلب کرنا ہے ۔

قیل وقال اور ایک روایت میں ہے قیلاً وقالاً ہے ۔ یہ دونوں یا اسم ہیں جیسے کثیر القیل والقال ۔ بہت قیل وقال ہوئی یا قال یقولُ کا مصدر ہیں ۔ ان سے مراد کثرت کلام ہے جو غلطی اور لغزش کا باعث ہوتی ہے ۔ ان کی تکرار مبالغۃً مالعنت کے لئے ہے یا ان سے مراد لوگوں کے کہنے سنے کا بیان مقصود ہوتا ہے ۔

تشریح

یہ حدیث چھ باتوں پر مشتمل ہے ۔ جن سے بچنا مسلمان پر واجب ہے ۔

۱۔ ماؤں سے سرکشی کرنا اور ان کے حقوق ادا نہ کرنا۔

ماؤں کی اچھی طرح اطاعت کرنا، ان پر خرچ کرنا اور ان کی مدد کرنا ان سے اچھی طرح بات کرنا، ایسی باتوں سے بچنا یا دور رہنا جن سے انھیں غصہ آئے یا ان کی ناراضگی کا سبب ہو وغیرہ ایسے حقوق ہیں جن کا پورا نہ کرنا عقوق یا نافرمانی میں داخل ہے۔ ماں کی ہستی وہ ہستی ہے جو زمانۂ حمل سے لے کر ولادت، رضاعت (دودھ پلانا) اور تربیت وغیرہ کے زمانے میں اولاد کے لئے بکثرت تکلیفیں اٹھاتی ہے، اسے ہر دکھ درد اور تکلیف سے بچانے کے لئے طرح طرح کی احتیاطیں کرتی ہے وہ خود جاگتی ہے کہ بچہ سوئے، آپ دکھ اٹھاتی ہے کہ وہ آرام کرے، پریشانیوں اور مصیبتوں کو خوشی سے گوارا کرتی ہے کہ اولاد کو سکھ نصیب ہو۔ جب بچہ چھوٹا ہوتا ہے تو اس کا مسکرانا ماں کو دنیا و مافیہا کی خوشیوں سے زیادہ مرغوب ہوتا ہے۔ اس کی صحت اور خوشی ماں کو اپنی ہر تمنا سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ وہ اگر رونے لگتا ہے تو صدمہ سے اس بے چاری کی جان سی نکلنے لگتی ہے، بیمار ہوتا ہے تو اس کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبائی رہتی ہیں۔ جب اولاد پر ماں کے جان چھڑکنے کا یہ عالم ہو تو یہ کوئی اچھا سلوک نہ ہوگا کہ اولاد اس کا بدلہ اس کی نافرمانی یا سرکشی سے دے یا اسے طاق نسیاں میں

رکھ کر خود چین کرتی رہے۔ اس حدیث میں ماں کا ذکر اس لئے خصوصیت کے ساتھ کیا گیا ہے کہ وہ زیادہ کمزور ہوتی ہے اور اولاد کی نافرمانی کا صدمہ اس پر بہت جلد اثر کر جاتا ہے۔ دوسرے اس کا مدعا یہ بھی ہے کہ مہربانی اور محبت و ہمدردی کے لحاظ سے باپ کے مقابلے میں ماں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا مقدم رکھا گیا ہے۔

۲۔ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینا۔

یہ حرکت زمانۂ جاہلیت کے لوگ مفلسی یا ننگ و عار کے خوف سے کیا کرتے تھے کیونکہ ان کے نزدیک لڑکی جسمانی ساخت میں کمزور اور ضروریاتِ زندگی کے اکتساب میں مردوں کے مقابلے میں عاجز ہوتی تھی اور باپ کے لئے ایک بارِ گراں بن جاتی تھی۔ اس لئے ان میں سے بعض لوگ لڑکیوں کو مار ڈالتے تھے تاکہ ان کا بوجھ ہلکا ہو جائے اور بعض لوگ اس خیال سے انھیں زندہ گاڑ دیتے تھے کہ ان کی لغزش سے خاندانی عزت و شرافت کو بٹہ لگے گا۔

۳۔ منع وہات

ان دونوں الفاظ سے مراد شرعی واجبات اور مروت کے تقاضوں میں مال خرچ کرنے سے بخل کرنا ہے۔ مثلاً زکوٰۃ، صدقہ، احسان و سلوک اور محتاج کی اعانت اور فریادی کی مدد وغیرہ اور اس چیز کی طمع کرنا جس کا

وہ اہل نہ ہو۔ مثلاً بغیر کام کے مزدوری کی خواہش کرنا یا استحقاق سے زیادہ مانگنا۔ اس قسم کے امور میں مروت ضائع ہوتی ہے، نفس ذلیل ہوتا ہے اور ناحق مال کھانے کی حرص بڑھتی ہے۔

۴۔ **قیل وقال** ۔ اس سے مراد لوگوں کے حالات اور اخبار کے درپے رہنا ہے تاکہ ان پر آپس میں بات چیت جاری ہو، ادھر کی باتیں ادھر پھیلائی جائیں۔ ہوسکتا ہے کہ ان میں سے بہت سی باتیں ایسی ہوں جن کو لوگ پوشیدہ رکھنا پسند کرتے ہوں یا بہت سی باتیں لوگوں کے بھیدوں سے تعلق رکھتی ہوں جن کو فاش ہوتے دیکھ کر انھیں غصہ آجائے اس طرح عداوت پیدا ہو اور لوگوں میں فساد، کینہ اور فساد جڑ پکڑ لے۔ ان وجوہ سے بکثرت باتیں کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

۵۔ سوال کی کثرت

اس سے مراد مال اور صدقہ کا سوال ہے جس میں آبرو جائے اور نفس ذلیل ہونے کا اندیشہ رہتا ہے اور ایماندار شخص اس کا خیال رکھتا ہے کہ اپنے آپ کو ان خرابیوں سے آلودہ نہ کرے۔ یا مشکلوں اور الجھنوں اور لوگوں کی خبروں کی نسبت سوال کرنا پہیلیاں اور معمے ایجاد کرنا تاکہ لوگوں کے دل ودماغ کو ان میں الجھایا اور عاجز کیا جا

اور بیکار قسم کے کاموں میں ان کا وقت ضائع کیا جائے۔ بسا اوقات ان سوالوں کے جواب میں ایسی نہیں ہوتی ہیں جن سے سائل کو رنج ہوتا ہے یا یہ جواب اُسے اور دوسروں کو برے معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرماتا ہے لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسوءکم (ایسی چیزوں کے متعلق سوال نہ کرو کہ اگر تمھارے لئے ظاہر کی جائیں تو تمھیں بُری معلوم ہوں)

۶۔ اضاعت مال

مال کے صرف میں زیادتی یا فضول خرچی کرنا یا اُسے ایسی باتوں میں خرچ کرنا جن سے خدا کا غضب نازل ہوتا ہے مثلاً حرام امور۔

الغرض مال کو ایسے امور میں خرچ کرنا جن کی شرعاً اجازت نہ ہو یا جن سے کوئی دینی یا دنیوی مصلحت حاصل نہ ہوتی ہو نہ کسی مضرت کا دفعیہ ہوتا ہو، اضاعت مال میں داخل ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ مال پر زندگی کا دارومدار ہے اور وہ اس دنیا کا سرمایہ ہے جو آخرت کی کھیتی ہے اسے ضائع کرنا ندامت، افلاس اور ذلت کا باعث ہے تمھارا کام ہے کہ خوشی اور غم کی تقریبوں اور شادی بیاہ کے جہیز اور مکانوں کی تیاریوں میں جو کچھ صرف ہوتا ہے اس پر غور کرو، نفسانی لطف و لذت، لہو و لعب، نمائشی اخراجات

حکام کی خوشامد اور فریب دینے والے ظاہری سکھ رکھاؤ یا بناؤ میں کیا خرچ ہوتا ہے اور اس سے کیا فوری خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ان سب پر نظر رکھو۔ اللہ تعالےٰ ہمیں ان گناہوں سے بچائے اور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا کرے۔

علما کی موت

اور علم کا خاتمہ!

عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص قال سمعتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم یقول: ان اللہ لا یقبضُ العِلْمَ انتزاعاً ینتزعہ من العباد، ولکن یقبض العلم بقبض العلماء حتّٰی اذا لم یبق عالمٌ اتّخَذَ الناسُ رُءُوساً — وفی روایۃ رُءُوساءَ — جُہّالاً فسُئِلوا فافتوا بغیر علم فضلّوا واَضَلّوا۔
روا البخاری ومسلم۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے، انھوں نے کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا "بیشک اللہ علم کو اس طرح نہیں چھینتا جس طرح کوئی چیز بندوں سے لے

لیتا ہے۔ لیکن وہ علم کو علما کی موت کے ذریعے ختم کرتا ہے یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہتا لوگ جاہل سرداروں کو اختیار کر لیتے ہیں اور ان سے (مسائل) پوچھتے ہیں وہ بغیر علم کے فتویٰ دیتے ہیں پس وہ خود گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں۔ اس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا۔

تشریح

علماء ہدایت کے چراغ، راہ صواب کے رہبر، اور مخلوق میں اللہ کے امین ہوتے ہیں وہ بھٹکے ہوئے کو راستہ بتاتے ہیں اور ہدایت کے خواہش مندوں کو ہاتھ پکڑ کے صحیح منزل تک پہنچاتے ہیں۔ اللہ نے ان کی عقل اور سمجھ بوجھ میں وسعت عطا کی ہے اور انھیں بصیرت بخشی ہے جو انھیں رائے میں بہکنے اور لغزش کرنے سے بچاتی ہے اور حقائق کی دریافت میں ان کی اعانت کرتی ہے۔ اس کی بدولت وہ علوم کی گتھیاں سلجھاتے ہیں۔ ان کا سینہ معارف کا خزینہ ہوتا ہے اور ان کی عقلیں حکمتوں کا گنجینہ ہوتی ہیں وہ لوگوں پر اپنی دانائیوں سے فیضان کی مسلسل بارش کرتے رہتے ہیں اور ان کی ہدایت و رہنمائی کا سرچشمہ برابر جاری رہتا ہے۔ امت میں، ان کی تعداد جتنی زیادہ ہوتی ہے اتنی ہی اس کی ترقی

اور عروج کے سامان مہیا ہوتے ہیں اور جیسے جیسے ان میں کمی آتی جاتی ہے یا لوگ ان سے یا وہ لوگوں سے دور ہوتے جاتے ہیں ویسے ویسے قوم میں زوال و انحطاط پیدا ہوتا ہے۔ وہ جاہلوں کی جہالت کے دام میں پھنستے جاتے ہیں اور جھوٹ اور گمراہیوں کی اشاعت اور فریب کاریوں کا رواج بڑھتا جاتا ہے۔

عالم کے مرنے سے وہ چراغ بجھ جاتا ہے جو زندگی کی تاریکیوں میں اجالا کرتا رہتا تھا۔ وہ تلوار نکمی ہو جاتی ہے جو حق کے لئے چلتی رہتی تھی اور امت کے قصر عظمت کا ایک ستون منہدم ہو جاتا ہے۔ اب اگر کوئی اس کا جانشین نہ ہوا تو اس قصر کا وہ پہلو شکستہ اور تاریک رہ جاتا ہے اور فتنوں اور گمراہیوں کے وہ حشرات الارض یا موذی سانپ بچھو جو عالم کے دبدبے سے اپنے اپنے مسکنوں میں چھپے رہتے تھے سر اٹھانے لگتے ہیں۔ مجلسوں کی صدارت ایسے لوگوں کے حصے میں آتی ہے جو اس کے اہل نہیں ہوتے اور فتویٰ اور ارشاد کا کام وہ لوگ کرنے لگتے ہیں جن کے اور علم کے درمیان دور کا بھی کوئی لگاؤ نہیں ہوتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بجائے صحیح علم کے بے بنیاد افسانے اور من گھڑت کہانیاں لوگوں کے دل و دماغ اور کانوں میں گھر کرنے لگتی ہیں حق و صواب کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور ایک گمرہی کا عالم مسلط

رہتا ہے جس میں لوگ بھٹکتے رہتے ہیں اور سیدھا راستہ نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔

اس لئے علما پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے سینوں میں علوم و فنون کی جو امانت رکھی ہے اُسے لوگوں تک پہنچائیں اور ہدایت کا نور پھیلائیں ۔علوم کی تعلیم و تبلیغ میں بخل سے کام نہ لیں، اور عوام کا فرض ہے کہ انھیں زندگی میں جن امور کے سمجھنے کی حاجت پڑتی ہو ان کے معلوم کرنے اور سمجھنے پر حریص رہیں تاکہ گمراہی کے لق و دق بیابان میں بھٹکنے سے بچے رہیں۔

اختلاف ومخالفت

مضرت اور نقصان کا بیان!

عن ابی هُرَیرَة رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: دعونی ما ترکتکم، فانما اهلک من کان قبلکم سؤالهم واختلافهم علی انبیائهم، فاذا نهیتکم عن شيءٍ فاجتنبوه واذا امرتکم بشيءٍ فأتوا منه ما استطعتم۔ رواه البخاری ومسلم۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا جو کچھ میں تمھارے لئے چھوڑ دوں اسے مجھ پر چھوڑ دو جو لوگ تم سے پہلے تھے انھیں ان کے سوال اور انبیا سے ان کے اختلاف نے انھیں ہلاک کر دیا۔ جب میں تم کو کسی چیز سے منع کروں تو اس سے پرہیز کرو اور جب تمھیں کسی بات کا حکم دوں تو

حسب استطاعت اُسے اختیار کر لو ــــ اُسے بخاری و مسلم نے روایت کیا۔

تشریح

اس حدیث کا ایک سبب ہے۔ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں خطبہ دیا اور فرمایا "اے لوگوں اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے، اس لئے حج کرو، ایک شخص نے کہا کیا ہر سال یا رسول اللہ؟ آپ نے سکوت فرمایا یہاں تک کہ اس شخص نے تین بار یہی بات کہی" اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر میں کہہ دیتا ہاں، تو تم پر واجب ہو جاتا اور بیشک تم میں اس کی استطاعت نہ ہوتی، پھر فرمایا جو کچھ میں تمھارے لئے چھوڑ دوں اُسے مجھ پر چھوڑ دو (آخر حدیث تک)

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی ہے کہ جتنی بات پوچھنا بہت ضروری ہو اسی کے دریافت کرنے پر اکتفا کریں۔ بے فائدہ بات پر اصرار نہ کریں ایسا نہ ہو کہ جواب میں ایسی بات نکلے جس پر عمل کرنا دشوار ہو اور اس کا نتیجہ ترک اطاعت کی صورت میں نکلے اور اس طرح مخالفت احکام اور معصیت کی بدولت

عذاب کا حق دار بنے۔ البتہ جب موقع ہو تو سوال کرنا پسندیدہ اور سکوت اختیار کرنا مذموم ہے۔

بے موقع سوالوں کی کثرت سے اکثر ایسی ہی حالت ہو جاتی ہے جیسی بنی اسرائیل کی ہو گئی تھی۔ انھیں جب گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تو انھوں نے سوالوں کی بھرمار کر دی تھی۔ اگر وہ کسی گائے کو بھی ذبح کر دیتے تو حکم کی تعمیل ہو جاتی لیکن انھوں نے سوال میں شدت کی تو انھیں اور شدت میں ڈالا گیا۔

پھر آپ نے انھیں ہدایت فرمائی کہ رسول کی منع کی ہوئی باتوں پر قائم رہیں، جس بات کا کرنا منع ہو اس قسم کی کوئی بات نہ کریں

بعض علما نے اس حدیث سے عام ممانعت پر استدلال کیا ہے کہ ضرورت اور مجبوری اسی کام کے کرنے کو روا نہیں کرتی جس سے منع کیا گیا ہے مثلاً حرام چیز سے دوا علاج کرنا یا اس سے پیاس دفع کرنا۔

بے شبہ شریعت نے انھیں صرف اتنی ہی بات کی تکلیف دی ہے جتنی ان کی طاقت کے اندر ہو۔ وشوار قسم کے طاقت سے زیادہ کاموں پر مجبور نہیں کیا ہے۔ اس میں بہت سے احکام داخل ہیں جیسے اس شخص کا نماز پڑھنا جو اس کا کوئی رکن یا شرط ادا کرنے سے عاجز ہو اُسے اجازت

کہ جس طرح مقدور ہو اس طرح پڑھے۔ وضو، سترِ عورت اور سورۂ فاتحہ کے بعض حصّے کا حفظ کرنا بھی اسی قیاس پر ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ شریعت نے مامورات سے زیادہ منہیات پر توجہ کی ہے، اس نے منہیات میں اجتناب کے لئے کوئی قید نہیں رکھی ہے ان سے علی العموم پرہیز کرنے کی ہدایت کی ہے۔ خواہ انھیں ترک کرنے میں مشقت ہی کیوں نہ ہوتی ہو اور مامورات میں بقدرِ طاقت کی قید لگائی ہے۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ کسی چیز سے منع کرنا اس سے رک جانے یا باز رہنے کا مقتضی ہے، اور یہ بات ہر ایک کے مقدور میں ہے۔ اس میں کوئی مشقت نہیں پڑتی اس لئے استطاعت نہ ہونے کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے برخلاف کسی کام کا حکم دینا (اَمر) اس کے عمل میں لائے جانے کا مقتضی ہے جس کے سر انجام پانے میں بعض اوقات عاجزی کا بھی سامنا ہوتا ہے۔ جیسا کہ مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ اسی لئے امر کے ساتھ استطاعت کی قید لگا دی ہے نہی (منع کرنے میں) میں یہ قید نہیں رکھی گئی ہے۔

اس حدیث سے کثرتِ سوال اور مسائل میں زیادہ چھان بین کرنے کی مذمت پر بھی استدلال کیا گیا ہے جب کہ یہ غور و خوض یا باریک بینی

متکلف اور پریشان کرنے کی غرض سے ہو۔ اگر سیکھنے اور سکھانے کی غرض ہے ہو جس کی کسی دینی یا دینوی معاملے میں ضرورت پڑے تو مسائل کے اندر چھان بین جائز ہی نہیں بلکہ حکم الٰہی کے مطابق ضروری ہے فَاسْئَلُوا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر یعنی علما سے پوچھو)

اس کے علاوہ یہ حقیقت بھی نظر میں ہے کہ غیر ضروری باتوں کے متعلق بہت زیادہ پوچھ گچھ سے وقت بھی ضائع ہوتا ہے اور بیکار باتوں میں آدمی کی مشغولیت بھی بڑھ جاتی ہے جو اختلاف اور ناحق روائی جھگڑوں کو دعوت دیتی ہے۔ یہی صورت ایسے مسائل میں کثرت سے شاخیں پیدا کرنے کی ہے جن کی کوئی اصل کتاب و سنت میں پائی جاتی ہے نہ اجماع میں اور زمانہ ایسی فضول باتوں میں صرف ہو جاتا ہے جن میں اس کا صرف نہ ہونا بہتر تھا۔

اس قسم کے سوالوں میں غیبی امور کی تفتیش ہے۔ شرع نے ان پر ایمان لانے کی ہدایت کی ہے ساتھ ہی ان کی حقیقت کا کھوج لگانے کو ترک کر دیا ہے ایسے سوال بھی جن کے متعلق کوئی صحیح دلیل ثابت نہیں جیسے قیامت کے وقت اور روح کی نسبت سوال اور اس امت کی مدت کے متعلق سوال جن کا جواب صرف نقل کے ذریعے ملتا ہے اور

جن میں غور و خوض کرنا شک اور حیرت میں ڈالتا ہے اسی قسم میں داخل ہیں۔ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لوگ برابر پوچھتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ یہ کہا جائے گا کہ یہ ہے اللہ جس نے مخلوق کو پیدا کیا، پھر اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ —

اس کلام کا ماحصل یہ ہے :-

بحث و سوال میں ایسے سوال اور استفسار کی بھرمار مذموم ہے جس سے کوئی فائدہ نہ ہوتا ہو۔ مسائل میں بال کی کھال نکالنا، انھیں شاخ در شاخ تقسیم کرتے جانا خاص کر ایسی باتیں پیدا کرنا جو بہت کم یا شاذ و نادر واقع ہوتی ہوں۔ علی الخصوص ایسی صورت میں کہ باہم تفوق اور غلبے کی خواہش ان کی محرک ہوتی ہو مذموم ہے

لیکن کتاب اللہ تعالے پر گہری نظر ڈالنا اور اس پر غور و خوض کرنا، جو بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان صحابہ سے معلوم ہوئی ہے جنھوں نے نزول قرآن کے واقعات مشاہدہ کئے ہیں اور سنتِ نبوی کو اچھی طرح جانا اور سمجھا ہے، اُسے محفوظ رکھنا نفع بخش اور پسندیدہ کام ہے۔ یہی وہ طریقہ ہے جس پر تابعین میں سے فقہا کا عمل تھا۔ لیکن ان کے بعد جو لوگ آئے ان میں مناقشات اور لڑائیاں بڑھ گئیں اور بغض و عداوت پیدا ہو گئی۔ حالانکہ یہ سب

ایک ہی دین کے ماننے والے ہیں۔ اس طرح ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول صادق آیا جو اس حدیث کے آخر میں مذکور ہے فانما اھلک من کان قبلکم سوالھم و اختلافھم علی انبیائھم۔

صدقہ کی فضیلت

زبان رسالت مآب سے!!

عن حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: الید العلیا خیر من الید السفلی وابدأ بمن تعول ـــ رواہ البخاری ومسلم

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا اونچا ہاتھ (صدقہ کرنے والا) نیچے ہاتھ (صدقہ وغیرہ لینے والے) سے بہتر ہے اور (سخاوت وغیرہ میں) اس کے ساتھ ابتدا کرو جو تمہارے عیال میں شامل ہو۔

اسے بخاری ومسلم نے روایت کیا۔

لغت

الید العلیا : صدقہ دینے والا اور خرچ کرنے والا ہاتھ
الید السفلی : قبول کرنے یا لینے والا ہاتھ ۔
من تعول ۔ جو تمھارے بال بچوں یا کنبے میں شامل ہو اور جس پر خرچ کرنا تم پر لازم ہو ۔

تشریح

رزق میں کشائش اور مال میں خیر و برکت اللہ کی بہترین نعمتوں میں سے ہے ۔ اور بہترین مال وہ ہے جس سے آدمی سوال کی ذلت سے بچے اور اس کی آبرو محفوظ رہے ۔ جو شخص اپنے نفس کے حق کو جانتا ہے اور اس کے لئے سعادت و اقبال مندی کا خواہاں ہوتا ہے وہ ایسے وسائل حاصل کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے جن سے اس کی عزت بڑھے اور وہ لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے بچ جائے وہ ان میں ایک عزت و شرف حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس کا خواہاں ہوتا ہے کہ کسی دوسرے کو اس پر برتری نہ ہو ۔ لیکن جو شخص ذلت اور ادنیٰ درجے پر قناعت کر لیتا ہے اور آرام پسند ہوتا ہے اس کو اپنی آبرو

جانے کی پروا نہیں ہوتی نہ لوگوں میں بات بگڑنے کا کوئی صدمہ ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ترغیب دی ہے کہ ہم جائز و مشروع طریقوں سے روزی پیدا کرنے کی کوشش کریں، ہمیں مفلسوں اور محتاجوں کو صدقہ دینے کی عزت حاصل ہو۔ ہم ان لوگوں میں سے نہ ہوں جو لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرتے ہیں اور ان کے آگے دسترخوانوں کے جو ٹکڑے ڈال دیئے جائیں ان پر قانع ہو بیٹھتے ہیں خود کمانے کی کوشش نہیں کرتے۔ آپ نے ہمیں رغبت دلائی ہے کہ اللہ نے ہمیں جو کچھ عطا کیا ہے ہم اس میں سے بھلائی کے راستے میں خرچ کریں اور اس داد و دہش کی ابتدا اپنے قرابت والوں سے اور ان لوگوں سے کریں جن پر خرچ کرنا ہم پر لازم ہے تاکہ صدقے کا ثواب کئی گنا زیادہ ہو جائے اور اجر کی مقدار بہت بڑھ جائے۔

ظلم وجور! کی کیفیت سے برأت چاہنا!

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ اَنّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من کانت عندہ مظلمۃ لاخیہ فلیتحللہ منہا فانہ لیس ثم دینار ولا درھم من قبل ان یوخذ لاخیہ من حسناتہ، فان لم یکن لہ حسنات اُخذ من سیاٰت اخیہ فطرحت علیہ۔ رواہ البخاری۔

ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے بھائی پر کوئی ظلم کیا ہو وہ اس سے برأت (معافی) طلب کرے کیونکہ وہاں آخرت میں قبل اس کے کہ اس کے بھائی کے لئے اس کی نیکیوں میں سے کچھ لیا جائے دینا ہوگا نہ درہم اگر اسکی نیکیاں نہ ہونگی تو اسکے بھائی کی برائیوں میں سے لے کر اسکے سر پر ڈال دی جائینگی

لغت

مَظلِمَۃ : ظلم جور اور ایذا۔

یستحِلّہ ۔ اس سے بریت چاہے۔ معافی مانگ لے۔

ثَمَّ ۔ وہاں، قیامت کے دن

یُوخذُ من حسناتہ : اس کی نیکیوں میں سے کچھ نیکیاں لے لی جائیں گی، ان کا ثواب لے لیا جائے گا۔

تشریح

عدل کرنا اور ہر حق دار کا حق ادا کرنا کتنی اچھی بات ہے۔ اتفاق کیسی اچھی چیز ہے جس سے مسلمانوں کا منتشر شیرازہ مجتمع ہوتا ہے اور ان کے روابط اور وحدت و اتحاد کو قوت پہنچتی ہے ان کا آپس میں مل جل کر محبت و الفت کے ساتھ رہنا کتنا شایان شان ہے اخلاص و مودت کیسی اعلیٰ صفت ہے جو مسرتوں اور سعادتوں کی بوچھار کر سکتی ہے۔ تیوریاں چڑھائے رہنا، البغض و کینہ کے نشے میں سرشار ہونا عداوت اور جعل و فریب کو شعار بنانا کتنا برا کام ہے۔ یہ کیسی بری بات ہے کہ آج کل ہر شخص اپنے بھائی کے لئے برائی کا خواہاں ہے اور یہ جانتا

ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے سب خود ہی ہڑپ کر جائے اور اس کی جمع جتھا سب تباہ کر دے اور مال و دولت اور زندگی کی آسائشوں میں سب سے بڑھ جائے۔

ظالم کو اپنے ظلم سے کیا امید ہوتی ہے؟ اس کے انجام کے متعلق کیا توقع کی جاتی ہے؟ اس نے ایسے دن کے لئے کیا تیاری کی ہے جب اس کے خلاف خدا کے سامنے فریاد کی جائے گی اور مظلوم کا حق اس سے دلایا جائے گا۔ اگر اُسے اقبال مندی کے دور اور زمانے کی موافقت نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے تو اُسے اُس عارضی دور کے بدل جانے اور زمانے کے آنکھیں پھیر لینے سے بھی ڈرتے رہنا چاہیئے کیونکہ ایسی حالت بڑی شدید اور ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ اگر اپنے جسم کی قوت پر نازاں ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ میری قوت پائدار اور تسلط بہت دن قائم رہے گا تو اس بات سے بے خوف نہ ہونا چاہیئے کہ اُسے بہت جلد اپنی سرکشی اور جبر و تعدی کا مزہ چکھنا پڑے گا۔

وہ دن جب آدمی اپنے بھائی، ماں، باپ، بیوی اور بیٹوں سے بھاگے گا، ظالم افسوس اور حسرت کے ساتھ اپنے ہاتھ کاٹے گا۔ اور کہے گا کاش میں نے رسول کی راہ اختیار کی ہوتی، اس دن آنکھوں کے پردے اٹھ جائیں گے۔ نازماں اور گناہگار سے اس کے اصحاب

اور انصار دور بھاگیں گے اور صرف وہی باقی رہ جائے گا جو خیر یا شر میں سے وہ پہلے روانہ کر چکا ہے۔ اس دن خطا کار کا ہاتھ پکڑ کے اُسے لوگوں کے سروں پر ایک بلند جگہ ٹھہرایا جائے گا اور منادی ندا دے گا "یہ فلاں بن فلاں ہے جس کا کوئی حق ہو وہ آئے۔ لوگ آئیں گے اور اللہ تعالٰے فرمائے گا۔ ان لوگوں کے حق ادا کر۔ وہ کہے گا یارب، میں تو دنیا ختم کر چکا۔ انھیں کہاں سے دوں۔ اللہ فرشتوں سے فرمائے گا، اس کے نیک اعمال میں سے حصے کر کے ہر انسان کو اس کے مطالبہ کے مطابق دے دو۔ روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"کیا تم جانتے ہو، مفلس کون ہے؟"

لوگوں نے کہا:۔

"ہم میں سے مفلس وہ ہے جس کے پاس نہ درہم ہوں، نہ مال و متاع ہو۔"

فرمایا:

بیشک مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزے اور زکوٰۃ لے کر آئے گا اور یہ وہ ہے جو کسی کو گالی دے چکا ہے کسی پر تہمت لگا چکا ہے، کسی کا مال کھا گیا ہے، کسی کا خون بہایا ہے اور کسی کو مارا ہے

اس کی نیکیاں چھین کر ان میں سے ہر ایک کو دے دی جائیں گی۔ اور اگر اس پر جو گناہ عائد ہیں ان کے فیصلے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو ان لوگوں کے گناہ ان سے لے کر اس شخص پر ڈال دیے جائیں گے اور پھر دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔

نیکی اور بدی

بُرائی سے دُور رہنے اور نیکی اختیار کرنے کی تلقین

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال : ما بعث اللہ من نبیٍّ ولا استخلف من خلیفۃٍ الا کانت لہ بطانتان بطانۃٌ تامرہ بالمعروف وتحضہ علیہ، وبطانۃٌ تامرہ بالشر وتحضہ علیہ فالمعصوم من عصم اللہ تعالٰی۔

رواہ البخاری۔

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ نے نہ کسی ایسے نبی کو بھیجا نہ کسی ایسے کو خلیفہ بنایا جس کے یہ دو خاص گروہ نہ ہوں ایک وہ جو اس کو نیکی کرنے کا حکم دے اور اس پر ترغیب دے

دوسرا وہ خاص گروہ جو اُسے شر کا حکم دے اور اس پر ابھارے اور معصوم وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ بچائے۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔

لغت

بطانتہ : کسی آدمی کے وہ خاص لوگ جو اس کے راز دار ہوں اور یہ انھیں خاص تقرب سے ممتاز کرے۔

تَحُضُّہُ علیہ : اُسے اس پر ابھارتی ہے۔

تشریح

جس شخص کو لوگوں کے معاملات تفویض ہوتے ہیں یا ان کی دیکھ بھال کا ذمہ دار ہوتا ہے اس پر بہت بڑی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں وہ لوگوں کی امید و بیم کا مرکز بن جاتا ہے اگر لوگ اُس کے تسلط اور گرفت سے خائف رہتے ہیں تو اس کی داد و دہش اور عطا و کرم کے امیدوار بھی ہوتے ہیں اسی لئے وہ اس کی طرف نگاہیں لگائے رہتے ہیں اور اس کے دروازہ کو کھٹکھٹاتے رہتے ہیں۔ ہر شخص اس کا تقرب حاصل کرنا چاہتا ہے ان لوگوں کے اغراض و مقاصد مختلف قسم کے ہوتے ہیں اور اس معاملے میں ان کے دو گروہ بن گئے ہیں۔ ایک گروہ تو خیر خواہ لوگوں کا ہوتا ہے۔

جو اس کے معاملات کے عیوب اور اعمال کے نقائص اُسے دکھاتا ہے اور اس کی لغزشوں اور مہلکوں سے اُسے خبردار کرتا رہتا ہے جن سے یہ حاکم مستفید ہوکر برائیوں سے اجتناب کرتا ہے اور سیدھی راہ پاتا ہے اس طرح یہ گروہ اس آدمی کا ہاتھ پکڑ کر سلامتی و نجات کے مقام پر پہنچاتا ہے اور اس راہ میں کوئی تکلیف بھی پہنچے تو اُسے برداشت کرتا ہے۔ اس گروہ کی خیر اندیشی، سچائی اور وفاداری مسلم ہے۔

دوسرا گروہ وہ ہے جو اس کی کی ہوئی ہر بات کو اس کی نظر میں اچھا کرکے دکھاتا ہے۔ برائی کو بھی بھلائی باور کراتا ہے اس کی آنکھوں کے سامنے حقیقتوں کو ملمع کرکے یا لیس پوت کرکے پیش کرتا ہے وہ جو کچھ کرتا یا کہتا ہے یہ گروہ اُسے الہام یا وحی کا رنگ دے کر اس کے ہر قول و فعل کو غلطی اور خطا سے مبرا ظاہر کرتا ہے۔ اس سے غلطیاں یا لغزشیں ہوتی ہیں تو ان کی اہمیت اور حقیقت کو بالکل گھٹا کر نظر انداز کرا دیتا ہے۔ اس کی راہ میں جب نقصان اور مضرت کے نشان نمایاں ہونے لگتے ہیں یہ گروہ انھیں چھپانے کی کوشش میں مصروف رہتا ہے یہاں تک کہ حاکم کی بداعمالیوں میں پیچیدگیاں اور شبہات پیدا ہو جاتے ہیں اور اس نے جو برائیاں کی ہیں وہ انھیں برا سمجھنے میں شک کرنے لگتا ہے اس میں ان کی اصلاح کی طرف قدم

بڑھانے کی استطاعت نہیں رہتی اور یہ برائیاں اور بڑھ جاتی ہیں وہ جب راہ بھلا دیتا ہے تو برائیوں سے پیچھے بھی نہیں ہٹنے پاتا۔ اب اس مصیبت میں ایک آفت یہ اور بڑھ جاتی ہے کہ جو لوگ اس کے وفادار اور مخلص ہوتے ہیں۔ ایک ایک کر کے جگہ خالی کرتے جاتے ہیں یا اس کی طرف سے مایوس ہو کر اسے چھوڑ دیتے ہیں اسی طرح اس کا ہدایت پانا سخت دشوار ہو جاتا ہے۔

اس بات کی دلیلیں ہر عہد اور ہر دور میں بکثرت ملتی ہیں۔ مسلمانوں نے جو بلائیں بھی مول لی ہیں وہ ان کے اسی برے گروہ کو پروان چڑھانے اور تقرب بخشنے کا نتیجہ ہیں وہ اپنے معاملات ایسے لوگوں کے تفویض کر دیتے ہیں جو نہ امانت دار ہوتے ہیں نہ سمجھے، صحیح الرائے، محتاط اور کارگزار و صالح لوگوں کو اپنے پاس سے دور رکھتے ہیں۔ انسانی شیاطین جھوٹی سچی باتیں کہہ کر ان کے دلوں میں جو وسوسے پیدا کر دیتے ہیں یہ انھیں سچ سمجھنے لگتے ہیں اور سراب کو پانی اور بنجر زمین کو سرسبز و شاداب یقین کر بیٹھتے ہیں اسی لئے خود بھی تباہ ہوتے ہیں اور اپنے پیرودں کو بھی تباہ کرتے ہیں۔ دنیا کی قومیں انھیں ہر طرف سے جھپٹنے کی کوشش کرتی ہیں، ہر مفلس انھیں بیچ ڈالنے کی کوشش کرلے۔ ان کی طرف سے گفت و شنید ایسے لوگ کرتے ہیں جو نہ ان کے لئے

اچھی بات کہتے ہیں نہ ان کی کسی مصلحت و عزت کا پاس کرتے ہیں۔ اعلیٰ درجے کے قدیم امرار، خلفار اور اقوام پر یہی شر پسند خاص لوگوں کا گروہ غالب رہا اور جو صالح افراد نظم و نسق کی اچھی قابلیت رکھتے تھے وہ ان کے عتاب میں مبتلا رہے۔

یہ درست ہے کہ حاکم کے لئے ایسے افراد کو رکھنا ضروری ہے جو تنہائی میں اس سے لوگوں کے حالات بیان کریں۔ لیکن اس پر یہ بھی واجب ہے کہ اس معاملے میں صرف امانت دار، لائق اعتماد اور عقلمند و دانا لوگوں پر بھروسہ کرے۔ خود محتاط و منتظم بنے اور اپنے اعوان و انصار کے حالات کو پرکھے کیونکہ حاکم پر جب مصیبت آتی ہے تو ایسے ہی لوگوں کی بات قبول کرنے کی وجہ سے آتی ہے جو اعتماد کے لائق نہیں ہوتے۔ جب وہ اتنا اچھا اور ہوشمند ہوگا تو اللہ اُسے اپنی مشیت کے ساتھ لغزشوں اور ٹھوکروں سے محفوظ رکھے گا۔

بعض لوگ کہتے ہیں اس تقسیم کا انطباق نبی پر نہیں ہوتا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ایسا شخص رسول کو تو دوست رکھتا ہو پھر بھی اس کے مخصوص مصاحب اہل شر میں سے ہوں۔ اس کے باوجود نبی کے متعلق یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس مصاحب کی بات پر کان دھرے یا عمل کرے کیونکہ رسولوں کا معصوم ہونا واجب ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث

کے آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلامت رہنے کی طرف اشارہ موجود ہے اور وہ آپ کا یہ قول ہے (فالمعصومُ مَن عصمی اللہ تعالےٰ)

حضرت عائشہ کی ایک روایت سے بھی اس حدیث کے معنی واضح ہوتے ہیں وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (تم میں سے جو کسی حکومت کا والی بنایا جاتا ہے اور اللہ اس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے صالح وزیر و مشیر مقرر کرتا ہے۔ یہ اگر بھولتا ہے تو وہ اُسے یاد دلاتے ہیں اور یاد کرتا ہے تو اُسے مدد دیتے ہیں)

خوفِ خدا!

اور پوشیدہ خیرات کا ثواب

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم قال: سَبْعَۃٌ یُظِلُّھم اللہ یوم القیامۃ فی ظلّہ یوم لا ظلّ الّا ظلّہ، امامٌ عادلٌ، وشابٌّ نشاءَ فی عبادۃ وَرَجُلٌ ذکر اللہ فی خَلْوَۃ ففاضت عیناہُ، وَرَجُلٌ قَلْبُہٗ معلقٌ فی المساجد وَرجلانِ تحابّا فی اللہ اجتمعا علیہ وَتفرّقا علیہ، وَرَجُلٌ دَعَتْہُ امرأۃٌ ذاتُ منصبٍ وجمالٍ الی نفسھا فقال انّی اخاف اللہ، وَرَجُلٌ تصدّق بصدقۃٍ فاخفاھا حتّی لا تعلم شمالُہٗ ما صنعت یمینُہٗ رواہ البخاری ومسلم بمعنیً قریبٍ والفاظٍ مختلفۃ۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سات آدمی ایسے ہوں گے جنھیں اللہ قیامت کے دن اپنے سایہ میں جگہ دے گا جب اس کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا، عادل حاکم، وہ جوان جس نے اللہ کی عبادت میں نشوونما پائی، وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور اس کی دونوں آنکھیں اشک بار ہوگئیں، وہ شخص جس کا دل مسجدوں میں معلق ہو، وہ دو اشخاص جنھوں نے اللہ کی راہ میں باہم محبت کی اسی پر جمع ہوئے اور اسی پر متفرق۔ وہ مرد جسے کسی مرتبے اور حسن و جمال والی عورت نے اپنے نفس کی طرف بلایا اور اس نے کہہ دیا میں اللہ سے ڈرتا ہوں، اور وہ شخص جس نے صدقہ دیا تو اُسے اس طرح چھپایا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو علم نہ ہو کہ دائیں نے کیا کیا۔ اسے بخاری اور مسلم نے مختلف ترتیب اور مختلف الفاظ میں روایت کیا۔

تشریح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے اس انعام کا ذکر فرماتے ہیں جو اس نے اپنے سات مومن بندوں

کے لئے مقرر فرمایا ہے جن کے عقیدے صاف اور نفوس پاکیزہ ہیں اور جو خلوت و جلوت میں اللہ ہی پر نظر رکھتے ہیں' ان کے تمام اعمال میں اللہ کا خوف' ڈر اور اسی کی طمع ظاہر ہوتی ہے۔ یہ لوگ قیامت کے دن اللہ کی حمایت اور حفاظت میں ہوں گے جس دن ان کا کوئی حامی و مددگار نہ ہوگا۔

۱۔ ان میں سب سے پہلا شخص وہ حاکم ہے جو مسلمانوں کے معاملات اور مصالح کی دیکھ بھال کے لئے مقرر کیا گیا ہو' ان کی خوشحالی و سربلندی پر نظر رکھتا ہو اور ان میں انصاف و مساوات کا سلوک کرتا ہو' ظالم سے مظلوم کا انصاف دلواتا ہو۔ کمزور اس کے ظلم سے خائف نہ ہوں' زور آور اس کے مرتبے اور تسلط کی وجہ سے طمع نہ کریں لوگوں کو ہوشیاری کے ساتھ سیدھے راستے پر چلائے' ان کے لئے دین قائم کرنے کی راہیں ہموار کرے' بغیر افراط و تفریط کے دین کی حدود سے آگاہ کرے' اس کے عہد میں لوگ شام و سحر اپنی جان اور مال کو محفوظ جانیں اور امن چین سے زندگی بسر کریں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ عدل حکومت کا ستون ہے اور ترقی و تمدن کا وسیلہ ہے۔ اس کی بدولت اقوام عالم زندگی کے تمام شعبوں اور عروج و خوشحالی کے تمام وسیلوں میں بہت زیادہ ترقی کرتی ہیں۔

اس کے ذیل میں ایسا ہر شخص آجاتا ہے جسے مسلمانوں کے معاملات میں سے کوئی شعبہ یا حصہ انتظام اور دیکھ بھال کے لئے سپرد ہوا ہو اور اس میں وہ عدل کے ساتھ کام کرے۔

۲۔ دوسرا وہ جوان شخص ہے جو جوانی اور اس کے نشاط اور کمال قوت سے سرشار ہو اور اس عمر میں اللہ کی عبادت کو لازم جان کر ظاہر و باطن ہر حال میں اس پر نظر رکھتا ہو۔ شہوت اس پر غلبہ نہ پائے، نفسانی خواہشیں اور طیش و غصہ اس کو اپنی اطاعت پر مجبور نہ کر دیں۔

۳۔ تیسرا وہ شخص ہے جو تنہائی یا خلوت میں اپنے رب کی عظمت اور قدرت اور بندوں پر اس کی رحمت اور اعلیٰ احسانات کو یاد کرے تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئیں اور ثواب و مغفرت کی طمع اور عذاب کے خوف سے اشکبار ہو جائے۔ یہ کام لوگوں کے سامنے ریا کے طور پر اور دھوکا دینے کے لئے نہ ہو بلکہ اخلاص اور خشیت الہی سے بے اختیار یہ حالت طاری ہو۔

۴۔ چوتھا وہ آدمی ہے جسے مسجدوں سے محبت ہو اس کا دل مسجد ہی میں لگا رہتا ہو، جب نماز کا وقت آئے وہاں پہنچنے میں جلدی کرے اور اوقات نماز کا خیال رکھے۔ اس سے مراد مسجد کی در و دیوار سے محبت نہیں ہے بلکہ عبادت اور اللہ کی جانب رجوع اور

خشوع وخضوع ہے۔ ایسے شخص کے لئے لازم ہے کہ دنیا کی محبت اور اس میں انہماک سے علیحدہ رہے جو تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ مسجدیں اللہ کا گھر ہیں اور مسلمانوں کے اجتماع اور اتحاد و الفت کا مرکز ہیں۔ جمعہ اور عید اور عام نمازوں میں وہاں اکٹھا ہونے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ ان اجتماعات میں بے شمار حکمتیں اور فائدے مضمر ہیں۔

۵۔ وہ دو آدمی ہیں جن کے درمیان خالص اللہ کے لیے سچی محبت اور استوار دوستی کے روابط مستحکم ہوں جن میں نفاق اور غرض مندی کا کوئی شائبہ نہ ہو۔ یہ دوستی ایسی ہو کہ اس پر تونگری یا مفلسی کا کوئی اثر نہ ہو۔ جتنے دن گزرتے جائیں ان کے تعلقات میں مضبوطی بڑھتی جائے۔ یہ ظاہر و باطن ہر حالت میں اللہ کی عبادت اور اس کی رضا جوئی کے لئے کوشاں رہیں ان کے قدم فسق و فجور کی طرف بالکل نہ بڑھیں۔ دین کا رابطہ اور اس کی محبت انہیں متحد رکھے۔ پھر ان میں علحدگی ہو تو دین ہی کی غیرت اور اسی کے دفاع کے لئے ہو، عزت یا مال و متاع میں کسی نقصان کی وجہ سے نہ ہو۔

۶۔ چھٹا شخص وہ ہے جسے کوئی ایسی عورت گناہ کی دعوت دے

جس کے پاس دلفریب حسن مال و دولت اور مرتبہ وغیرہ گمراہ کرنے کا تمام سامان موجود ہو جس سے مریض نفوس اور کمزور ایمان والے بہت جلد بہک جاتے ہیں۔ مگر یہ شخص ان حالات اور وجوہ کشش کے باوجود گمراہی سے دامن بچائے اُسے جھڑک دے، اللہ کی قوت اور شدید گرفت یاد دلائے اور یہ کہے کہ وہ اللہ سے بہت ڈرتا ہے اس کی نافرمانی اور عذاب دوزخ کی طاقت نہیں رکھتا۔

(۷) ساتواں۔ وہ شخص ہے جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اور لوگوں سے کسی شکر گزاری یا بدلے کا خواہاں نہیں ہوتا۔ ایسا آدمی ریا، دکھاوا، حکام کا قرب حاصل کرنے کی طلب اور لوگوں کو دھوکا دینے کی خرابیوں سے دور رہتا ہے۔ صدقہ دینے میں اخفا کا اتنا خیال رکھتا ہے کہ دایاں ہاتھ خرچ کرے تو بائیں کو خبر نہ ہو۔

اب ہمیں غور کرنا چاہیے کہ ہم ان اقسام کے لوگوں میں سے کس قسم میں شامل ہیں جب کسی میں نیکی کرنے کا خیال پیدا ہوتا ہے تو ہمارا یہ حال ہے کہ ہم چاہتے ہیں ہمارا خوب ڈھنڈورا پیٹا جائے ہمارے نام کے ساتھ تعظیمی القاب استعمال کیے جائیں اور تعریفیں کی جائیں۔ پھر جب عمل کا وقت آتا ہے تو اس نیکی کے عزم میں

سستی پیدا ہو جاتی ہے اور ہمت کمزور پڑ جاتی ہے۔ اسی لئے اموال سے برکت اٹھ گئی، مصیبتیں مسلط ہو گئیں اور یہی دولت سعادت اور مسرت کے بجائے بدبختی و آلام کا سرچشمہ بن گئی۔

ان ساتوں قسم کے لوگوں میں سے ہر ایک تقویٰ اور صلاحیت کے اعلیٰ مقام پر ہے اور متقیوں اور نیکوکاروں کے بلند مراتب پر فائز ہے۔ اسی لئے اگر اللہ انھیں اپنی حفاظت و حمایت میں رکھے تو کون سے تعجب کا مقام ہے اور جو شخص اللہ کے حفظ و امان میں ہو۔ نہ حوادث اس کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں نہ آفات و مصائب اس کو ستا سکتے ہیں۔

خودکشی!
اور قتل نفس کی سزا!

عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ
وسلم قال: من تردّی من جبل فقتل نفسہ فھو
فی نار جھنم یتردّی فیہ خالداً مخلّداً فیھا ابداً
ومن تحسّٰی سمّاً فقتل نفسہ فسمّہ فی یدہ
یتحسّاہ فی نار جھنّم خالداً مخلّداً فیھا ابداً
ومن قتل نفسہ بحدیدۃ فحدیدتہ فی یدہ
یجأ بھا فی بطنہ فی نار جھنم خالداً مخلّداً
فیھا ابداً۔ رواہ البخاری۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا کر خودکشی کرے

وہ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ ہمیش گرتا رہے گا اور جو زہر پی کر اپنے آپ کو ہلاک کرے تو اُسے ہمیشہ دوزخ کی آگ میں اس کے ہاتھ میں زہر دے دے کر پلایا جائے گا اور جو کسی لوہے (کے ہتھیار) سے خودکشی کرے گا تو وہ لوہا اس کے ہاتھ میں ہوگا جس سے وہ دوزخ میں اپنے پیٹ پر ہمیشہ وار کرتا رہے گا۔ اِسے بخاری نے روایت کیا۔

لغت

تَرَدّٰی۔ گرا، یہاں اپنے آپ کو گرایا مقصود ہے۔

خَالِدًا مُخَلَّدًا: اس کا یہ عذاب ہمیشہ جاری رہے گا

تَحَسّٰی۔ گھونٹ گھونٹ اتارا، پیا۔

یَجَأُ: وار کرے گا، مارے گا۔

تشریح

مکروہات پر صبر کرنا قوت عزم کی علامات میں سے ہے، بے قراری اور ناامیدی کمزوروں کی صفت ہے۔ عقلمند وہ شخص ہے جو زندگی کے تمام مزے خواہ شیریں ہوں یا تلخ چکھے اور مضبوط عزم

اور قوی قلب کے ساتھ سختیوں اور مصیبتوں کا مقابلہ کرے اور یہ جانے کہ تمام امور اللہ کے ہاتھ میں ہیں تنگی کے بعد کشائش اور پریشانی کے بعد خوشحالی نصیب ہوتی ہے، تونگری آتی ہے تو افلاس زائل ہوجاتا ہے غرض کسی حال کو دوام یا استمرار نہیں ہوتا ؎

چناں نماند چنیں نیز ہم نخواہد ماند

جو شخص معاشں کی تنگی یا مرض کے طول یا کسی امتحان میں ناکامی مالی خسارے یا کسی دوست کے چھوٹ جانے سے زندگی سے بے زار ہو کر دنیا سے پیچھا چھڑانا چاہے، پہاڑ سے گر کر جان دے، زہر پی لے یا چھری یا خنجر سے اپنا پیٹ چاک کر ڈالے، اپنے سر پر گولی مارے یا اپنے آپ کو چلتی ریل کے نیچے ڈال دے تو اس کو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ اس طرح نجات پا گیا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس نے اپنے آپ کو اور طویل المیعاد عذاب کا ہدف بنا لیا ہے جس کی تکلیفیں اور اذیتیں اس اذیت سے بہت زیادہ ہوگی جو اپنے آپ کو ہلاک کرتے وقت اس نے پہنچائی تھی۔ اب وہ نہ ادھر کا رہے گا نہ اُدھر کا نہ قیامت کے دن اللہ کے عذاب سے نجات پائے گا۔

ہوشمند اور صاحب بصیرت شخص ناامیدی کے آگے کبھی سپر نہیں ڈالتا وہ اللہ کی رحمت سے ہرگز مایوس نہیں ہوتا۔ اس قسم کی خرابیوں

کی آڑ میں پناہ کا خواہاں ہونے کے بجائے صبر و ہمت سے کام لیتا ہے اور زمانے کی گردشوں کو خدا کے سپرد کر دیتا ہے۔ اس جبر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مریض شفایاب ہو جاتے ہیں، امتحان میں ناکام ہونے والے دوبارہ جدوجہد کی بدولت دوسرے سال کامیاب ہو جاتے ہیں۔

جس کی صحت یا مال پر کوئی آفت پڑے اس کو اپنے دل میں اس پر یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بیماری کو زائل کرنے اور کھوئے ہوئے مال کا بہتر بدل عطا کرنے پر قادر ہے۔

ہے نہ کسی انسان کی رغبت اور خواہش پر اپنی حرکت و گردش
سکتا ہے۔ اس لئے جس پر کوئی مصیبت پڑے یا کوئی حادثہ
ر تنگ دل نہ ہونا چاہیے نہ اللہ کی نعمتوں پر جو اس
کا اظہار کرنا چاہیے۔ اُسے صبر سے کام لینا چاہیے۔

حالانکہ زمانہ خدا ہے تنگ دستی اور غم و الم ہمیشہ

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ: یَسُبُّ بنی آدم الدھر
وانا الدھر بیدی اللیل والنھار۔

رواہ البخاری۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ نے کہا بنی آدم زمانے
کو گالی دیتے ہیں اور میں زمانہ ہوں۔ میرے ہاتھ
میں رات اور دن ہیں۔

اسے بخاری نے روایت کیا۔

کی آڑ میں پناہ کا خواہاں ہونے کے بجائے صبر و ہمت
لیتا ہے اور زمانے کی گردشوں کو خدا کے سپرد کر دیتا ہے
کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مریض شفایاب ہوجاتے ہیں اس کی مرضی کے
ناکام ہونے والے دوبارہ جدوجہد کی بجائے اس کے غم و الم میں
ہوجاتے ہیں۔ ...ں کے لئے نہایت تنگ ہوجاتی ہے
ایسی حالت میں وہ بگڑتا اور برہم ہوتا ہے۔ گویا اس نے زمانے سے
عہد لیا ہے کہ اس کی کوئی ہوا اس کے خلاف نہ چلے گی اور جو
گردش بھی ہوگی وہ اسی کے موافق ہوگی یا تقدیر سے دوستی کر رکھی ہے
کہ وہ تمام حالات میں اس کا ساتھ دے گی۔

جب دنیا کے انقلابات اس کی خواہش کے برخلاف ہوتے
ہیں تو وہ زمانے کو گالیاں دینے اور لعن طعن کرنے پر اتر آتا ہے یہ
نہیں جانتا کہ زمانہ بھی اسی کے ہاتھوں میں ہے جس کے ہاتھ میں رات
اور دن کی گردش ہے وہ ایک مقررہ اندازہ کے مطابق چلتا ہے
جس میں خود اُسے کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ اس لئے اُسے گالی دینا یا
اس پر برہم ہونا اسی پاک ذات پر برہم ہونا ہے جس کے ہاتھوں میں
زمانے کی باگ ہے۔ اسے پھیرنے اور بدلنے کی قدرت ہے وہ جس
حکمت اور نظم کے ساتھ چاہتا ہے اس میں تصرف کرتا ہے۔ زمانہ کسی مخلوق

کا تابع ہے نہ کسی انسان کی رغبت اور خواہش پر اپنی حرکت وگردش سے رک سکتا ہے۔ اس لئے جس پر کوئی مصیبت پڑے یا کوئی حادثہ آگھیرے تو اُسے تنگ دل نہ ہونا چاہیے نہ اللہ کی نعمتوں پر جو اس نے عطا کی ہیں ناشکری کا اظہار کرنا چاہیے۔ اُسے صبر سے کام لینا چاہیے۔ کیونکہ زمانہ ایک حال پر ہمیشہ نہیں رہتا۔ تنگ دستی اور غم والم ہمیشہ رہنے والے نہیں۔ دشواری کے ساتھ آسانی ہے اور افلاس کے بعد خوشحالی۔ لہٰذا

زرنج وراحت دوراں مشو خنداں مرنجاں دل
کہ آئین جہاں گاہے چناں گاہے چنیں باشد

ایمان کی طرف سبقت
اور گناہوں سے دستبرداری

عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ عنہ قال
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: مثلی ومثل ما
بعثنی اللہ کمثل رجل اتی قوما فقال رأیت الجیش
بعینیَّ وانی انا النذیر العریان، فالنجاءَ النجاءَ
فاطاعہ طائفۃ فادلجوا علی مھلہم فنجوا وکذبتہ
طائفۃ فصبحہم الجیش فاجتاحہم۔ رواہ البخاری۔

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری مثال اور جس بات پر اللہ نے مجھے بھیجا ہے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو ایک قوم کے پاس آیا اور کہا میں نے اپنی آنکھ سے ایک لشکر

کو دیکھا ہے، اور میں ایک کھرا اور کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں، لہٰذا بھاگو، بچو، ایک گروہ نے اس کا کہنا مانا اور وہ سب سے آگے اول شب میں چل کھڑا ہوا، ایک دوسرے گروہ نے اسے جھٹلایا تو صبح ہوتے ہوتے اس لشکر نے آگھیرا اور انھیں کاٹ کر رکھ دیا۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔

لغت

مَثَلِی : میری صفت، حالت، مثال۔

النذیر - برائی یا مصیبت کی خبر دینے والا، ڈرانے والا،

عریاں : برہنہ

النذیر العریان - قبیلہ خثعم کا ایک شخص تھا جس کی شادی بنو زبید میں ہوئی تھی۔ بنو زبید نے اس کے قبیلے کو لوٹنا چاہا تو وہ ڈرے کہ کہیں یہ شخص اپنی قوم کو خبردار نہ کر دے اس لئے انھوں نے اس کے کپڑے اتار کر اس پر چوکیدار مقرر کر دیئے۔ وہ صبح کو بہت سویرے بھاگ کر اپنے قبیلے میں پہنچ گیا اور انھیں آنے والی آفت سے خبردار کر دیا۔ اس موقع پر اس نے جو کچھ ان سے کہا تھا اس میں سے یہ شعر بھی ہے ؎

أنا المنذر العریان ینبذ ثوبه　　إذا الصدق لا ینبیك الثوب کاذب

(میں وہ برہنہ ڈرانے والا ہوں جس کے کپڑے لوگوں نے اتار پھینکے ہیں۔ جب سچا تمھارے لئے اپنا لباس نہ اتار پھینکے تو وہ جھوٹا ہے)

اس وقت سے یہ نام ضرب المثل ہوگیا اور جس بات کے دفعتہ پیش آجانے کا اندیشہ ہو اس کے لئے بولا جانے لگا ایسے شخص کو بھی نذیر عریان کہتے ہیں جس کی بات میں شک وشبہ کی گنجائش بالکل نہ ہو۔ کھرا اور صاف گو۔

اَلنَّجَا ۔ فرار۔ گریز (یعنی بھاگو، بچو)

اَدْلَجُوا : رات کے ابتدائی حصے میں یا رات بھر چلے۔

صَبَّحَهُمْ ۔ ان پر صبح کو حملہ کر دیا، لوٹ لیا

اِجْتَاحَهُمْ ۔ ان کی بیخ کنی کی، ایک کو باقی نہ چھوڑا۔

تشریح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے لئے ہدایت اور سچا دین لے کر آئے۔ آپ بشیر بھی تھے اور نذیر بھی۔ اللہ کے حکم سے لوگوں کو خدا کی طرف بلانے اور ان کے لئے ایک روشن چراغ کا کام دیتے۔ اللہ نے آپ کو روشن معجزات اور واضح دلیلیں دے کر آپ کی تائید فرمائی جن سے آپ کے پیام کی صداقت کو قوت پہنچی اور آپ کے دشمنوں میں سے

کوئی آپ کے دلائل و براہین کا توڑ نہ کر سکا حالانکہ دشمنوں کی تعداد بہت تھی اور ان کے وسائل بھی بکثرت تھے، وہ جو چاہتے آپ کے خلاف مہیا کر سکتے تھے مگر اس کے باوجود ان کی کچھ نہ چلی۔ ان کا جھوٹ افترا اور بہتان سب بیکار ہو کر رہ گیا۔ ان لوگوں نے کیا کچھ نہ کہا۔ کبھی آپ کو ساحر کہا، کبھی شاعر، کبھی یہ کہا کہ یہ شخص پہلے لوگوں کے جھوٹے سچے افسانے اور کہانیاں دن رات سناتا رہتا ہے مگر ان کا یہ سب کہا ہوا جھوٹ تھا اور یہ ساری جد وجہد ناحق اور باطل کی حمایت کے لئے تھی کیونکہ حق بات دراصل ان پر واضح ہو چکی تھی۔ یہ صرف جاہلیت کی حمیت اور باطل پرستی کی پچ تھی جو انھیں اس طرف آنے سے روک رہی تھی۔

ان میں سے جن لوگوں میں اللہ کے ساتھ اخلاص موجود تھا انھیں ایمانی ہدایت نصیب ہوئی وہ کامیاب ہوئے اور نجات پائی۔ دوسرے بدنصیب اپنے کفر وعناد کے باعث راستے سے بھٹک گئے اور ذلت ورسوائی اور دردناک عذاب میں مبتلا ہوئے جو پیام حق انھیں پہنچا تھا اگر وہ اس کی اطاعت کرتے تو یہ خواری اور ناکامی نہ ہوتی۔ کہ کبھی لڑائیوں میں شکست کھائی اور قتل اور قید ہوئے اور کبھی دعوت حق کی راہ میں روک بننے سے کھلی ہوئی عاجزی کا منہ دیکھنا پڑا۔ انھوں

نے حق و صداقت کے پھیلانے میں جتنی مزاحمت کی اور یہ لوگ لوگوں کو دینِ مبین میں داخل ہونے سے جس جس طرح حائل ہوئے یہ سب کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ ان ساری رکاوٹوں کا باعث ان کا یقین و اعتقاد نہ تھا بلکہ تکبر و سرکشی تھی جو اس خوف سے ظاہر ہوتی تھی کہ کہیں ان کے مناصب و مراتب جن پر وہ وراثتاً قابض ہوتے چلے آرہے تھے چھن نہ جائیں۔

ان سب باتوں کو ملحوظ رکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور ان کے حال کو اس کے ڈرانے والے مخبر سے تشبیہ دی جس پر سچائی اور کھرے پن کی تمام علامات نمایاں تھیں اور جو اپنی قوم کو دشمن کی تاخت و تاراج کے خطرے سے آگاہ کرنے کے لئے آیا تھا۔ اس وقت ایک گروہ نے عجلت کے ساتھ اس کی بات کو سچ مان لیا اور نجات کے لئے تیار ہو کر اُسے نکلنے سے رہائی پائی۔ دوسرے گروہ نے جسے جھوٹی امیدوں اور تمناؤں نے دھوکے میں مبتلا کر رکھا تھا اس کی بات ماننے میں دیر کی اور اپنے لئے زبردست دشمن سے بچاؤ کی کوئی تدبیر نہ کی یہاں تک کہ صبح کر دشمن ان پر ٹوٹ پڑا انھیں لوٹا اور ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔

اپنا محاسبہ!

والی کے بارے میں حدیث

عن ابی حمید الساعدی قال: استعمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن اللتبیۃ علی صدقات بنی سلیم، فلما جاء الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وحاسبہ قال ھذا الذی لکم وھذہ ھدیۃ اھدیت لی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فھلا جلست فی بیت ابیک وبیت امک حتی تاتیک ھدیتک ان کنت صادقاً ثم قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخطب الناس وحمد اللہ واثنی علیہ ثم قال: اما بعد فانی استعمل رجالاً منکم علی امور مما ولانی اللہ فیاتی احدکم فیقول ھذا لکم وھذہ ھدیۃ اھدیت لی فھلا جلس فی بیت ابیہ وبیت امہ حتی تاتیہ ھدیتہ

اَن کان صادقاً، فو اللہ لا یا خُذُ اَحَدُکم منھا شیئاً بغیر حقہ اِلّا جاء اللہ یحملُہٗ یوم القیامۃ فلاعرفن اَحَداً منکم لقی اللہ یحملُ بعیراً لہٗ رُغاءٌ او بقرۃً لھا خوارٌ او شاۃً تیعرُ، ثُمَّ رفع یدیہ حتّٰی رُؤی بیاض ابطیہ الا ھل بلّغتُ۔ رواہ البخاری و مسلم بروایات مختلفۃ۔

ابو حمید ساعدی سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن اللُتبیۃ کو بنی سلیم کے صدقات پر عامل مقرر کیا۔ جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ نے اس سے محاسبہ کیا تو اس نے کہا یہ آپ کے لئے ہے، اور یہ ہدیہ ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر تو سچا ہے تو کیا تو اپنے باپ اور ماں کے گھر میں نہیں بیٹھا تھا کہ تیرے پاس ہدیے آتے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے۔ لوگوں کو مخاطب فرمایا، اللہ کی حمد وثنا کی پھر فرمایا اس کے بعد معلوم ہو کہ جن امور کا مجھے اللہ نے والی بنایا ہے ان پر میں تم میں سے بعض لوگوں کو حاکم بناتا ہوں۔ پس تم میں سے

ایک شخص آتا ہے اور کہتا ہے "یہ آپ کے لئے ہے اور یہ ہدیہ ہے جو مجھے دیا گیا ہے'کیا وہ اپنے باپ اور ماں کے گھر میں نہیں بیٹھا ہے کہ اس کے پاس ہدیہ آئے' اگر وہ سچا ہے' خدا کی قسم تم میں سے کوئی اس میں سے کوئی شے بغیر حق کے نہ لے ورنہ وہ اسے لادے ہوئے قیامت کے دن اللہ کے پاس آئے گا'میں تم میں سے ایک کو ضرور پہچانوں گا جو اللہ کا سامنا اس حال میں کرے گا کہ ایک اونٹ اٹھائے ہوئے ہوگا جو بلبلا رہا ہو یا ایک گائے جو آواز کر رہی یا ایک بکری جو میں میں کر رہی ہو' اٹھائے ہوگا۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھ اتنے اونچے کئے کہ آپ کے بغل کی سفیدی نظر آنے لگی (اور فرمایا) کیا میں نے یہ حکم نہیں پہنچا دیا۔ اسے بخاری و مسلم نے مختلف روایات کے ساتھ روایت کیا۔

لغت

رُغَا : اونٹ کی آواز

خوار : گائے یا بیل کی آواز

تیعَرَ ۔ لیارسے بکری کی آواز

تشریح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اپنی مثال سے خلفا اور والیوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ اپنے عاملوں اور زیر دستوں کے محاسبے میں غفلت نہ برتیں اور جن کاموں پر انھیں مقرر کر چکے ہیں ان کے متعلق ان سے باز پرس کرتے رہیں۔ نہ ان کی طرف سے آنکھیں اور کان بند کرکے بیٹھ رہیں نہ انھیں دولت و ثروت جمع کرنے کے لئے چھوڑ دیں کہ وہ رعیت کے اموال سے چھین چھین کے اپنا گھر بھرتے رہیں اور اس کام میں اپنے عہدہ اور مفوضہ خدمت سے ناجائز فائدہ اٹھائیں جو والی اپنے عمال کی باز پرس سے غافل ہو جاتے ہیں ان کے حکام محاصل عائد کرنے میں لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ان سے دولت گھسیٹنے میں طرح طرح کی زیادتیاں کرتے ہیں تاکہ خود ناروا نفع حاصل کریں اور رشوت جمع کریں جیسا کہ تمام قوموں میں بعض حاکموں کا حال دیکھا جاتا ہے

جس وقت کسی حاکم کو کسی صوبے یا ولایت کا والی بنایا جاتا ہے اس کی حالت افلاس کی وجہ سے ایسی ہوتی ہے جیسی زکوٰۃ کے حقداروں کی ہوتی ہے لیکن حکومت کرتے ہوئے سال دو سال بھی نہیں گزرتے کہ مال و دولت سے ان کی تجوریاں بھر جاتی ہیں اور بکثرت

روپیہ جمع ہو جاتا ہے۔ ان کا عہدہ یا نوکری ان پر لعنتوں کی بوچھار کر دیتی ہے جس سے وہ مفسدوں کے شر سے بچنے اور اپنی راحت کے وسائل مہیا کرتے رہتے ہیں۔ جیسے ہی اس کی ولایت کی حکومت میں خرابی سرایت کرتی ہے اس کے زیر دست حاکم بھی اس کی ریس کرنے لگتے ہیں اور لوگ ان کی طرف سے ہر قسم کی ایذا اور تکلیف کا شکار بن جاتے ہیں وہ ان کی طرف سہمی ہوئی نظریں ڈالتے ہیں اور اس طرح ڈرتے ہیں جس طرح پرندہ شکاری سے ڈرتا ہے۔ اس کی حکومت سے جان چھڑانے کی تمنائیں کرتے ہیں خواہ انھیں اس کام کے لئے کتنا ہی مال دولت صرف کرنا پڑے۔ ان حالات سے شورشیں اور لغاوتیں سر اٹھاتی ہیں۔ حکومت کے احکام ٹھکرا دیئے جاتے ہیں۔ طبیعتوں میں شر و فساد جڑ پکڑ لیتا ہے۔ دلوں میں اشتراکیت، بے چینی اور سرکشی کی روح سرایت کر جاتی ہے۔ تم سوچ سکتے ہو کہ جب حکومت کی بنیاد ایسی ہو اس کا کیا حال ہوگا۔ اس میں انقلاب و زوال کے برپا ہونے میں کس شبہ کی گنجائش ہے۔

اس لئے اگر خلفا اور ملوک اپنے والیوں کا محاسبہ کرتے رہیں اور جو بے آئینیاں یا خلاف ورزیاں ان سے سرزد ہوتی ہوں ان پر مواخذہ سے غفلت نہ کریں تو ان میں رعیت کے اندر عدل و مساوات قائم کرنے

کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور وہ اس طرح حکومت کرنے لگتے ہیں کہ لوگ ہر خوف وخطر سے محفوظ رہیں وہ ان کی راحت، بھلائی اور ترقی کے لئے خود مشقت اٹھاتے ہیں، آرام طلبی اور سستی کو خیرباد کہہ کر رعیت سے ناحق مال ودولت نہیں چھینتے۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ دلوں میں اطمینان وسکون کا دور دورہ ہوتا ہے۔ لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف رہتے ہیں اور امن وعافیت کے سائے میں مصنوعات کو ترقی دینے اور حالات کو سدھارنے میں لگے رہتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حاکموں اور والیوں میں سے ایسے شخص کی بدانجامی سے ڈرایا ہے جو لوگوں سے وہ کچھ وصول کرتا ہے جس کا اُسے کوئی حق نہیں۔ اور اسے اس کی اس گت سے آگاہ فرمایا ہے جو قیامت کے دن بننے والی ہے۔ وہ اس روز ناحق وصول کی ہوئی دولت کو اپنے کندھے پر لادے ہوئے اس خرابی کے ساتھ حاضر ہوگا کہ تمام لوگوں میں اس کے ظلم اور جرم کی اچھی طرح تشہیر ہوگی اور خوب ذلیل وخوار ہوگا۔

کون ہے جو اس قبیح انجام اور ایسی بُری نوبت کو دیکھنے اور سمجھنے کے بعد بھی اس قسم کی ذلتیں اپنے لئے پسند کرے گا اور وہ بھی ذرا سے زائل ہونے والے مال اور فنا ہونے والی عزت کے لئے؟

بیوی اور شوہر!

کیا بلا اجازت رقم لینا جائز ہے؟

عن عائشة رضی اللہ عنہما ان ھندا بنتَ عُقبَةَ
قالتِ یا رسول اللہ: ان ابا سُفیان رجُلٌ شحیحٌ و
لیسَ یُعطِینی ما یکفینی وولدی الا ما اخذتُہُ منہ
وھُوَ لا یعلمُ، فقال خذی ما یکفیکِ وَوَلدَکِ
بالمعروف — رواہ البخاری و مسلم۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہند بنت عقبہ نے
کہا یا رسول اللہ! ابوسفیان ایک بخیل شخص ہے، وہ مجھے اتنا
نہیں دیتا جو میرے اور میرے لڑکے کے لئے کفالت کرے بجز اس
کے کہ جو کچھ میں اس کا مال اس کے نہ جاننے کی حالت میں لے
لیتی ہوں، فرمایا جتنا تجھے اور تیرے لڑکے کے لئے معروف طریقے

پر کافی ہو اتنا لے لے۔ اُسے بخاری و مسلم نے روایت کیا۔

لغت

اَلشُّحُّ ۔ بخل و حرص کے ساتھ، بخل مال کے ساتھ مخصوص ہے۔ حرص مال اور دوسری چیزوں پر بھی ہوتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جب بخل خلق اور طبیعت بن جائے تو اُسے شح کہتے ہیں۔

المعروف :۔ عرف یا رواج کے مطابق جتنا کفایت کرے۔

تشریح

ہند، ابوسفیان صخر بن حرب کی بیوی اور معاویہ کی ماں تھی اس کا باپ عتبہ اور چچا شیبہ اور بھائی ولید جنگ بدر میں مارے گئے یہ واقعہ اس کو بہت کھل گیا۔ جب احد کی لڑائی ہوئی اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب شہید ہوئے تو وہ اس بات سے خوش ہوئی۔ ان کے پیٹ پر جھکی اور اُسے چیر کر ان کا کلیجہ نکالا اور چبا کر تھوک دیا۔ پھر مکہ فتح ہونے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وہاں ٹھہرنے کے بعد جب اس کا شوہر مسلمان ہو چکا تو یہ بھی اسلام لائی۔ بعض کا قول ہے کہ شوہر سے پہلے مسلمان ہو گئی ۔ ابوسفیان صخر بن

حرب واقعہ بدر کے بعد قریش کا سردار ہوا اور جنگ اُحد میں انھیں لایا۔ پھر جنگ خندق میں احزاب کو ہزیمت دی اس کے بعد جب مسلمانوں کے طلایہ گردوستوں نے اُسے قید کیا تو فتح کی رات کو اسلام لایا۔ حضرت عباس بن مطلب نے اُسے پناہ دی تھی۔

ہند نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور شکایت کی کہ ابوسفیان دولت و ثروت کے باوجود مجھے اور میری اولاد کو تنگی میں رکھتا ہے۔ میں اس سے اتنا روپیہ نہیں لے سکتی جس سے اپنی اور بچوں کی حالت ٹھیک کرسکوں' میرا کام صرف اسی صورت میں چلتا ہے کہ اس کے علم کے بغیر کچھ روپیہ اسی کے مال میں سے لیتی ہوں" یہ حالت بیان کرکے اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ "یوں گناہ تو نہ ہوگا؟" آپ نے فرمایا "اتنا لے لیا کرو جتنا رواجی طور پر تمھارے اور تمھاری اولاد کے خرچ کے لئے کفایت کرسکے۔

اس حدیث میں کئی احکام ملتے ہیں۔

۱۔ **غائب شخص کے لئے فیصلہ**۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر ہند کے استحقاق نفقہ کا حکم دیا اور ہدایت فرمائی کہ

وہ ابو سفیان کے مال میں سے حسب ضرورت لے لیا کرے" اس مسئلے میں فقہا کا اختلاف ہے۔ حنفیہ جب تک غائب شخص کا وکیل یا اس کا ولی دعوی سننے کے لئے حاضر نہ ہو اور اس کے روبرو شہادت اور ثبوت پیش نہ ہو اس کی نسبت حکم لگانے کو جائز نہیں رکھتے کیونکہ ممکن ہے وہ اس دعویٰ کی مدافعت کرے یا اس کے حریف کے دعوی کو غلط ثابت کر دے، اس کا ایک سبب وہ آثار و احادیث بھی ہیں جن سے فریقین میں سے صرف ایک کے قول پر اس وقت تک فیصلہ نہ کرنے حکم ملتا ہے جب تک قاضی دوسرے فریق کی بات بھی نہ سن لے اس معاملے میں حنفیہ نے نفقات اور غیر نفقات میں فرق نہیں رکھا ہے۔ لیکن امام زفر نے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے نفقات میں غائب پر حکم نافذ کرنے کو جائز رکھا ہے کیونکہ یہ چیز زوجہ کو وہ حق دلانے میں معاون ہوتی ہے جو اُسے اپنے شوہر پر حاصل ہے اور اسی پر مذہب حنفیہ میں عمل کیا گیا ہے کیونکہ وہ اس حالت میں فیصلہ کرنے کو باب فتوی میں شمار کرتے ہیں اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہند سے استحقاق نفقہ کا ثبوت طلب نہیں فرمایا جس میں اس کا اور اس کی اولاد کا نفقہ، زوجیت کی لقا، ہند پر شوہر کی اطاعت کا لزوم، اور اس کا ثبوت کہ اُسے جو کچھ اس کا شوہر

دیتا ہے کفایت نہیں کرتا، اور جس اولاد کے لئے وہ نفقہ کا مطالبہ کر رہی ہے وہ تونگر نہیں ہے، وغیرہ امور شامل ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہند نے اس موقع پر اپنے جن لڑکوں کا ذکر کیا تھا ان میں معاویہ بھی تھے جن کی عمر اس وقت اٹھائیس برس تھی اور اتنی عمر والے شخص کا نفقہ طلب کرنے میں اُسے ولایت کا حق نہیں پہنچتا۔ یہ سب باتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فتوی تھا، حکم نہ تھا، یعنی حکم قضائی یا عدالتی فیصلہ نہ تھا ورنہ فیصلے سے پہلے ان تمام امور کا ثابت واجب ہوتا۔

(۲) یہ صرف زوجہ کا قول ہے کہ شوہر نے اس کو نفقہ دینے میں عجلت نہیں کی اور نفقہ کا اندازہ کفایت کے ساتھ متعین کیا گیا ہے اگرچہ حنفیہ نے اپنے یہاں کے فتوی کے مطابق اس حدیث میں اللہ تعالے کا یہ قول (لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ۔ وسعت والے کو اپنی وسعت میں سے خرچ کرنا چاہیئے) بھی شامل کر لیا ہے اور ان کا قول ہے کہ نفقہ کا اندازہ زوجین کی حالت کا ایک ساتھ لحاظ رکھ کر کیا جاتا ہے۔ ۳۔ کسی انسان کے لئے غیر شخص کا ناواجب ذکر استفتا اور شکایت کے طور پر جائز ہے، اس کا شمار حرام غیبت میں نہ ہوگا۔ ۴۔ اولاد کا نفقہ بشرط حاجت و افلاس واجب ہے۔

۵۔ شرعاً جس شخص کا نفقہ کسی پر واجب ہو وہ اس کے مال میں سے بقدر کفایت لے سکتا ہے جب کہ یہ آخر الذکر شخص نفقہ دینے میں انکار کر رہا ہو۔ (۶) جس شخص کا کسی دوسرے پر حق ہو اور وہ اُسے ادا کرنے سے عاجز ہو تو اُسے جائز ہے کہ وہ اس کے مال میں سے بقدر حق اس کی اجازت کے بغیر لے۔ یہ امام شافعی کا قول ہے۔ حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے (۷) اولاد کا نفقہ روک دیئے جانے، ان پر خرچ کرنے اور ان کی پرورش کے لئے ولایت کا جواز۔ (۸) شرع میں جن امور کی کوئی تحدید نہیں ہے ان میں رواج پر اعتماد کرنا۔

رشوت اور اُس کی مضرتیں

اِرشادات نبویؐ کی روشنی میں!

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لعنة الله علی الراشی والمرتشی۔

رواه الخمسة الا النسائی۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر اللہ کی لعنت ہے۔ اس کو پانچوں صحاح والوں نے سوائے نسائی کے روایت کیا۔

لغت

لعنت: اللہ کی رحمت سے گریز اور دوری۔

الراشی: جو رشوت دے، کسی ذی اثر شخص کا تقرب یا کوئی غرض حاصل کرنے کے لئے۔

المرتشی: رشوت لینے والا۔

تشریح

کسی قوم پر جو بدترین مصیبت نازل ہوتی ہے وہ اس میں رشوت کا پھیلنا اور حکام اور ذمہ دار ارباب حکومت کا ایسی چیزوں کے لئے ہاتھ بڑھانا ہے جن پر ان کا کوئی حق نہ ہو۔ جب یہ آفت عام ہوتی ہے تو کسی حقدار کو جب تک وہ صاحب اختیار حاکم کے پاس رشوت وغیرہ کے ذریعے کوئی وسیلہ نہ پیدا کرے اپنا حق نہیں ملتا۔ نہ کوئی مظلوم اس وقت تک اپنے ظلم کی داد پاسکتا ہے جب تک حاکم مقتدر کو دے دلا کر ہموار نہ کرے۔ بعض اوقات رشوت کی مقدار پر بحثیں اور حجتیں ہوتی ہیں اور یہ کام بغیر کسی شرم وحیا کے کھلے بندوں سرانجام پاتے ہیں۔ ان حرکات سے جو نقصانات پیدا ہوتے ہیں ان کا شمار

آسان نہیں۔ اس ضمن میں عزت کو بٹہ لگنا۔ حقوق کا غصب ہونا، مہارت وصلاحیت کا ختم ہوجانا، سعی وکوشش کا اضمحلال، فرائض ادا کرنے میں کوتاہی، قومی مصالح کی تباہی، امانت خدمت میں خیانت وغیرہ خرابیاں ایسی جڑ پکڑ لیتی ہے کہ قومی زندگی میں اچھی صفات معدوم ہوجاتی ہیں۔ لوگوں میں کمزوری اور کاہلی پیدا ہوجاتی ہے قوم کے تمام مفادات مفلوج ہوجاتے ہیں بڑے بڑے ذہین اشخاص کی عقلیں بیکار ہوجاتی ہیں۔ مفکرین کے قوائے فکر جمود میں اور عملی جد وجہد کرنے والوں کے دست وباز وقصور وفتور میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ پھر ایسی قوم سے کسی بھلائی کی توقع کی جاسکتی ہے جس کی کارگزاری اور صلاحیت کا معیار رشوتیں اور نذرانے ہوں؟ اور ایسی حکومت سے کسی مفید نتیجے کی امید ہوسکتی ہے جس کے حاکموں اور افسروں کا طرح طرح کے ہدیئے اور رشوتیں لینے ہی پر کوئی قدم آگے بڑھ سکتا ہے ورنہ نہیں۔

رشوت کبھی کبھی کوئی مستعار لباس اختیار کرلیتی ہے یا مختلف بھیس بدل کر سامنے آتی ہے۔ مثلاً ہدیئے کی شکل میں یا بیع وشرا میں رعایت کے ساتھ یا حاکم کا قرض ادا کرکے، غرض رشوت اس قسم کی بہت سی شکلیں اختیار کرسکتی ہے۔

اسی لئے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے دونوں پراللہ اور لوگوں کی طرف سے لعنت پڑتی ہے، کیونکہ رشوت دینے والا رشوت لینے والے کو دوسروں کے حقوق تلف کرنے میں مدد دیتا ہے اور لوگوں کے اموال ناحق خورد برد کرنے کا کام اس کے لئے آسان بنادیتا ہے وہ ایک بڑی عادت کو نشوونما دیتا ہے اور اس کی بدولت غیر کے حق کے اندر تصرف کرنا سہل ہوجاتا ہے۔

رشوت لینے والا دوسرے کا مال ناحق لیتا ہے اور حق کو حق دار تک پہنچنے سے روکے رہتا ہے یہاں تک کہ اس سے رشوت مل جائے اگرچہ رشوت دینے والے کو اس روپے کی خود بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے جو وہ بادل ناخواستہ رشوت میں پیش کر رہا ہے — رشوت خواہ حق دار کو حق دلانے ہی کے لئے دی جائے تب بھی حرام ہے کیونکہ وہ بلا معاوضہ مال کا حکم رکھتی ہے۔ پھر اس رشوت کی خرابی کا تو کیا ذکر ہے جو شخص پر ظلم کرنے یا مستحق کو اس کے حق سے محروم رکھنے کے لئے دی جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "ہم نے جس کو کسی کام کے لئے نوکر رکھا (اس کے معاوضے کے طور پر) اس کی کچھ روزی مقرر کی ہے۔ اس کے بعد وہ جو کچھ لے گا وہ چوری ہے۔"

ہے "جو ہدیے قاضیوں یا ان کے مثل اشخاص کو دیے جاتے ہیں وہ ایک قسم کی رشوت ہیں۔ کیونکہ جس نے ہدیہ دیا ہے اگر وہ قاضی کے برسر حکومت ہونے سے پہلے اُسے ہدیے دینے کا عادی نہ تھا تو اب اُسے بغیر کسی غرض کے ہدیے نہیں دیتا اور وہ غرض یا تو باطل چیز کو تقویت پہنچانا ہے یا ہدیے کے ذریعے اپنے حق کو پہنچنا ہوسکتی ہے یا اپنے حریف کے خلاف مقدمے کو طول دینا۔ ان تمام اغراض سے وہی نتیجہ نکلتا ہے جو رشوت سے نکلتا ہے ان کا اور رشوت کا مرجع و مقام ایک ہی ہے۔ اس کے علاوہ انسان کی طبیعت پر احسان کا ایک خاص اثر ہوتا ہے۔ احسان کرنے والے سے محبت کرنا آدمی کی فطرت میں داخل ہے اس لئے جب ہدیے دینے والے کا کوئی مقدمہ قاضی یا حاکم کے سامنے پیش ہوتا ہے تو اکثر اس کا میلان طبع اس شخص کی طرف ہو جاتا ہے جو اُسے اس کے حریف پر ترجیح دینے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس موقع پر قاضی کو اس کا شعور نہیں ہوتا اور وہ دل میں یہی گمان کرتا ہے کہ اس نے حق و صواب کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا ہے۔ حالانکہ یہ سب اسی ہدیے کی کارفرمائی تھی جو اُسے ملتے رہے ہیں ــــ رشوت کا کام بھی کچھ اس سے زیادہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا دونوں برابر ہیں۔

رشوت صرف وہی شخص دیتا ہے جو خائن ہو۔ ایسے دونوں پر اللہ
اور اُسے قبول بھی ایسا ہی شخص کرتا ہے جو دنی النفس اور حریص
ہو اور جس کے دین وشرف میں کوئی خرابی ہو۔

بخاری نے ابو حمید الساعدی سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسد کے ایک شخص کو صدقات پر حاکم بنایا۔ اس شخص کا نام ابن الاتبیہ (اور ایک روایت کے مطابق ابن اللتبیہ) تھا۔ جب وہ آیا تو اس نے کہا " یہ تو آپ کا ہے اور یہ مجھے ہدیے میں دیا گیا ہے " نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے، منبر پر تشریف لے گئے، اللہ کی حمد وثنا کی پھر فرمایا " اس عامل کا کیا حال ہوگا جسے ہم بھیجتے ہیں اور وہ آکر یہ کہتا ہے 'یہ مجھے ہدیے میں دیا گیا ہے' وہ جو کچھ بھی لائے گا اُسے قیامت کے دن اپنی گردن پر لادے ہوئے پہنچے گا' پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اتنے بلند فرمائے کہ ہمیں آپ کی دونوں بغلوں کی سفیدی نظر آئی۔ (اور فرمایا) کیا میں نے تمھیں یہ بات نہیں پہنچا دی؟ (تین مرتبہ یہی فرمایا)

J.A.H. & Co. Plot # 43/4 D-2 Block 6, PECHS, Near Jheel Park, Karachi